تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

ڈاک لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۴ | ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۷۶ء — ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ | شمارہ ۱

زر اشتراک اندرون ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ ۱۲ روپئے ششماہی سات روپیہ
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرون ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ شلنگ
ہوائی ڈاک سے: امریکہ و کناڈا اور
یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطی اور مشرق بعید کے ممالک ۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپئے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپئے

اسحٰق جلیس ندوی

سادگی مومن کی دیکھ......

لبنان کی تعمیر نو کے لئے ۳۰ ارب ڈالر کی پیشکش

کویت کے محلہ سالمیہ میں ایک کرم فرما نے کل رات برادر محترم مولانا سعید الاعظمی ندوی اور راقم سطور کو کھانے پر مدعو کیا پر تکلف کھانے کے ساتھ ڈائننگ روم میں رکھے ہوئے ٹیلیویژن سیٹ پر قاہرہ میں اسی دن منعقد شدہ عرب سربراہوں کی چوٹی کی کانفرنس کے افتتاحی جلسے کا بھی پروگرام جاری تھا، اس کانفرنس میں شاہ خالد، شاہ حسین، صدر انور السادات، صدر حافظ الاسد، صدر مختار الدادہ، صدر الیاس سرکیس، امیر سالم الصباح غرض تمام عرب ممالک کے سربراہ یا ان کے نمائندے شریک تھے۔ اس کانفرنس کی کامیابی اور متفقہ لائحہ عمل کو طے کرنے کے لئے سعودی عرب کے شاہ خالد اور کویت کے امیر سالم الصباح سالم کی کوششوں سے ایک مختصر میٹنگ ریاض میں منعقد ہوئی تھی جس میں باہم متحارب اور مخالف سربراہان مملکت اور تنظیم آزادی فلسطین کے رہنما یاسر عرفات کو مدعو کیا گیا تھا۔ ریاض کی اس کانفرنس نے قاہرہ کی کانفرنس کی کامیابی کی راہ ہموار کر دی تھی۔

لبنان کی خانہ جنگی میں ایک لاکھ انسانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، لاکھوں انسان زخمی ہو کر ایسے معذور و اپاہج بن گئے کہ زندگی کا بوجھ اٹھانا ان کے لئے دوبھر ہو گیا ہے ہزاروں افراد کو اپنے مال و املاک اور تجارت و ملازمت سے محروم ہو کر جلا وطن ہونا، نہ جانے کتنے سہاگ اجڑے کتنے بچے یتیم ہوئے اور کتنی دوشیزاؤں کی عفت و عصمت تاراج ہوئی۔ جنگ و بدامنی کے دیوتا اور آگ و خون کی دیوی کا یہ رقص اٹھارہ مہینوں سے لبنان میں جاری ہے لیکن اسے روکنے کی موثر تدابیر کے لئے کسی سنجیدہ کوشش کے آثار نظر نہیں آتے تھے، قاہرہ کانفرنس کی صد فیصد کامیابی بھی اس جانی اور مالی نقصان کی تلافی نہیں کر سکتی جس سے لبنان گذشتہ ڈیڑھ سال سے دو چار ہے۔

قاہرہ کانفرنس کی افتتاحی نشست میں صدر انور السادات، لبنان کے صدر الیاس سرکیس، شام کے صدر حافظ الاسد اور عرب لیگ کے سکریٹری جنرل محمود ریاض نے تقریریں کیں۔ تقریروں کی حد تک تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قتل کے بعد جفا سے توبہ کی مصداق تھیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسے سنگین مسئلے پر جس فکر و تشویش اور غم و افسوس کا مظاہرہ ہونا چاہئے تھا اس کی اس کانفرنس میں ادنیٰ سی بھی جھلک نظر نہیں آئی۔

کانفرنس کی صدارت کے لئے میزبان ملک مصر کے صدر انور السادات کا جب نام پیش ہوا تو انہوں نے کرسی صدارت سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ افتتاحی تقریر سے پہلے فوٹو گرافر اور صحافیوں کو تصویریں لینے کا موقع دیا جاتا ہے پینکڑوں کی تعداد میں کیمرے حرکت میں آ گئے اہر ملک کے ٹیلیویژن عملہ نے کام شروع کر دیا اور عرب دنیا کے یہ ناخدا مختلف زاویوں سے مسکراتے ہوئے اپنے کو پیش کرتے رہے۔ ایک سنگین مسئلہ پر غور و فکر کرنے والوں کی سنجیدگی اور متانت کا اس کانفرنس میں کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔

صدر انور السادات کی لکھی ہوئی تقریر میں قرآن کی آیتوں اور حدیث رسول سے استشہاد بھی تھا۔ اسی طرح الیاس سرکیس اور حافظ الاسد کی لکھی ہوئی تقریریں کل کے دشمن ملک مصر اور اس کے صدر انور السادات کی مدح و ستائش سے لبریز اور عرب اتحاد کی ضرورت و اہمیت کی مدلل نمونہ تھیں۔ ان تقریروں کے سننے والے کو یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ یہی وہ ایکٹر ہیں جو گذشتہ ڈیڑھ سال سے مشرق وسطیٰ میں وہ خونی ڈرامہ کھیل رہے ہیں جس کی نظیر عرب ممالک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

لبنان کے المناک حالات کا سب سے تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اس میں وہ مسلمان جانی اور نقصان کا شکار ہوئے جن کی آبادی ۶۰ فیصد ہے اور جو عرصۂ دراز سے عیسائی اقلیت کے استحصال کا شکار رہی۔ لبنان کے میدان جنگ میں، عیسائی، شامی اور اسرائیلی متحدہ محاذ کے ہاتھوں زک اٹھانے والے ان مسلمانوں کو ان کے ہم عقیدہ عرب ممالک نے میدان جنگ میں بیکس تو چھوڑ ہی دیا تھا لیکن میز پر بھی ان کے مقدمہ کی پر زور و جرأت آمیز وکالت کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی۔ لبنان کی تعمیر نو کے لئے ۳۰ ارب ڈالر کی خطیر رقم الیاس سرکیس کی اس حکومت کو دیا منظور ہوا ہے جس میں غالب اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ ع

"وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا"

جن عیسائیوں نے شام اور اسرائیل کی مدد سے مسلمانوں کا ذبیحہ کیا انہیں گلے لگایا جا رہا ہے اور ان کی مالی امداد بھی کی جا رہی ہے۔

شام کے حافظ الاسد جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں ان کا پر جوش استقبال ہوا اور صدر انور السادات نے ان کا ایسی گرمجوشی سے معانقہ کیا گویا وہ عرب اتحاد کے محسن اعظم ہوں۔

تحریک آزادی فلسطین کی لبنان کی جنگ نے کمر توڑ دی۔ اس تحریک کے ناعاقبت اندیش رہنماؤں نے اگر اپنی پوری توانائی اور قربانیاں انجام سے بے نیاز ہو کر اسرائیل کے خلاف جھونک دی ہوتی تو ان کا نام دنیا کی تاریخ میں صدیوں تک روشن اور تابناک رہتا لیکن افسوس ہے کہ اپنے ہزاروں جیالوں کو باہمی جنگ کی بھٹی میں جھونک کر اس قیادت نے اپنی قوم کو ایسا زبردست نقصان پہنچایا جو اسرائیل بھی کبھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔

قاہرہ کی عرب چوٹی کانفرنس نے شام کی مداخلت اور مسلمانوں پر اس کے ظلم و ستم کی تو یہ فیصلہ کر کے سند جواز دیدی ہے کہ عرب امن فوج میں غالب اکثریت شامی فوجیوں کی ہوگی۔ گویا بھیڑیوں کو بھیڑ بکریوں کی پاسبانی ان کے مصارف کے انتظام کے ساتھ قاہرہ عرب سربراہ لبنان کے مسئلہ پر غور کر رہے تھے اور دوسری طرف اسرائیل جنوبی لبنان کے فوجی اہمیت کے علاقے پر قبضہ کر رہا تھا جس پر اس کی مدت سے نظر تھی لیکن یہ کانفرنس اسرائیل کی اس تازہ جارحیت کے خلاف کسی فیصلہ پر نہیں پہونچی۔

لبنان اور اس کا دار السلطنت بیروت مشرق وسطیٰ میں اخلاقی انارکی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ گذشتہ ڈیڑھ سال کی خانہ جنگی نے اس جنت ارضی کو جہنم زار بنا دیا تھا۔ تیل کی دولت سے مالا مال عرب حکمرانوں کو اپنی اس فردوس گم گشتہ کی از سر نو بازیافت اور تعمیر کی ایسی فکر سوار ہے کہ انہوں نے اس کی امداد کے لئے ۳۰ ارب ڈالر کی منظوری دیدی ہے۔ اب وہی بیروت پھر اپنے حسن و رعنائی کے ساتھ سرگرم ہوگا جس کے بارے میں ایک لبنانی ادیب امین الریحانی نے لکھا ہے:۔

"بیروت تمدن کی ایک نعمت بھی ہے اور تمدن کی ایک لعنت بھی، بیروت ایک مشرقی حور ہے جو تانبے کے مغربی طشت میں رکھا ہوا ہے، صبح کے وقت ملکۂ مشرق کے پاؤں کا پازیب اور غروب کے وقت ملکۂ مغرب کی کلائی کا کنگن، بیروت کیچڑ میں پڑا ہوا ایک در نایاب ہے جس پر بجلی کی کرنیں شرماتی ہوئی پڑتی ہیں، بیروت ایک مرجان ہے جو ایک ایسے ساحل پر ہے جس کا سونا ریت میں اور جس کی چاندی کیچڑ میں مل گئی ہے۔

بیروت پیرس کی ایک کنیز ہے، بیروت ایک ماہتاب ہے جس پر مغرب کی روشنی منعکس ہوتی ہے تو مشرق کو منور کرتا ہے اور مغرب کی تاریکی بھی منعکس ہوتی ہے جو مشرق کی تاریکی میں اضافہ کر دیتی ہے، بیروت علوم کا سرچشمہ اور خرافات کا گڈھ ہے۔"

بیروت اور لبنان کی تعمیر نو اور اس کی نئی زندگی کے لئے اربوں ڈالر صرف کرنے والوں کو اس کا اندازہ نہیں کہ یہ خرافات کا گڑھ، سازشوں کا اڈہ خالص عیسائی بالادستی کے ساتھ اپنے وجود ان کی نئی نسل اور ان کے مستقبل کے لئے کتنا بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔ اب وہ علم بھی نہیں رہا جو اس سیلاب کے آگے سینہ سپر ہوا کرتا تھا، یہاں کا دیندار، اسلام پسند اور انسانیت دوست طبقہ لبنان کے حالات اور عرب رہنماؤں کے کردار سے سخت نالاں اور دل گرفتہ ہے لیکن بجز غم و افسوس کے اس کے پاس کچھ نہیں۔

از: مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

تعلیم القرآن

قرآن مجید:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا۔ (آل عمران) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو۔

اللہ کی رسی سے مراد قرآن پاک ہے، اس کے حکموں پر مضبوطی سے جم جانا چاہئے پیغمبر صاحبؐ نے کہا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے گمراہ نہ ہوگے۔ وہ دونوں چیزیں اللہ کی کتاب (قرآن پاک) اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔

اللہ کی یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی ہے ہاں چھوٹ سکتی ہے، جس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی وہ گمراہی کی خندق میں جا گرے گا، اور جو مضبوط پکڑے رہے گا وہ اسی کے سہارے نکل جائے گا۔

قرآن خدا کی آخری کتاب ہے، اس میں ہمارے نفع اور نقصان کی سب باتیں لکھی ہوئی ہیں اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی دوسری طرف نہ جانا چاہئے۔

اچھے کام

وافعلوا الخیر (حج۔۱۰) اور بھلائی کرو۔

دو چیزیں مسلمانوں کے دین کی جڑ ہیں، ایک سچا عقیدہ، دوسرے اچھا کام! اچھے کام دو طرح کے ہیں! ایک وہ جن کا تعلق خاص خدا ہے، اس کو عبادت کہتے ہیں، دوسرے وہ جن کا اثر اپنے سوا دوسروں پر بھی پڑتا ہے، اس کو معاملات کہتے ہیں۔

سچے عقیدہ اور اچھے کام کے بغیر آدمی خدا کے یہاں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے، لیکن وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔

قرآن نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل کو ضروری قرار دیا ہے! فرمایا جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی امید ہو اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے۔

بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا:

وامر بالمعروف وانہ عن المنکر (لقمان) اچھی بات کا حکم دو اور بری بات سے روکو۔

جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے، وہ اچھی بات ہے اور جس سے روکا ہے وہ بری بات ہے اچھی باتوں کا حکم کرنا چاہئے، اگر تمہاری وجہ سے لوگ اچھے کام کرنے لگیں یا برائی سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں تم کو بھی برابر کا ثواب ملے گا۔

نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی ایک قسم کی نیکی ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اتنی طاقت نہیں تو اس کو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کمزور درجہ ہے۔ اگر ہم لوگوں کو اچھائی کا حکم نہ کریں گے اور برائی سے نہ روکیں گے تو اس کی وجہ سے جو مصیبتیں آئیں گی ہم ان سے نہ بچ سکیں گے۔ پیغمبر نے اس کو ایک مثال میں اس طرح سمجھایا ہے کہ اگر دریا میں کشتی جا رہی ہو، مسافروں میں سے کچھ لوگ کشتی کے نیچے کے حصہ میں سوراخ کرنے لگے، کسی نے ان کو روکا نہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ سوراخ ہو کر کشتی میں پانی بھر جائے گا اور سب لوگ ڈوب جائیں گے! اگر دوسرے آدمی ان سوراخ کرنے والوں کو روک دیتے تو خود بھی ڈوبنے سے بچتے اور دوسروں کو بچا لیتے!

حضورؐ نے فرمایا کہ جو لوگ، طاقت یا دولت والوں کے خیال سے برائی سے نہیں روکتے ہیں۔ یا اچھائی کا حکم نہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اصل میں مجھ سے ڈرنا چاہئے تھا۔

قرآن میں ہے:۔

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔ (انفال ۳) اور بچتے رہو اس فساد سے کہ تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں پڑے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ایک قوم کے کچھ لوگ گناہ کر رہے ہیں اور نیک لوگ ان کو روکتے نہیں ہیں، ان سے اپنی بیزاری نہیں ظاہر کرتے ہیں، تو عذاب کی لپیٹ میں ظالموں کے ساتھ یہ لوگ بھی آ جائیں گے۔

محسن انسانیت نے فرمایا

- لذتوں کو قطع کر دینے والی (موت) کو بکثرت یاد کرو۔
- ایک ساعت کا غور و فکر (برسہا برس کی) عبادت سے بہتر ہے۔
- مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔
- گھر لینے سے پہلے پڑوسی کو اور سفر سے پہلے رفیق سفر کو سمجھ لو۔
- حکمت کے دس جزو ہیں نو علیحدگی یعنی لوگوں سے بلا ضرورت الگ تھلگ رہنے) اور ایک خاموشی میں۔
- احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ صاحب الرائے سے مشورہ لے کر اس پر کاربند نہ ہو
- زیادہ باتونی ہونا آدمی کی نحوست ہے۔
- تو علم و حکمت لے جہاں سے بھی ملے، تجھے نقصان نہیں پہونچے گا۔
- میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا لوگوں میں سرداری کس چیز سے ہوتی ہے جواب دیا عقل سے۔
- دنیاوی شرافت غنا ہے اور اخروی شرافت تقویٰ۔
- جو مجھ سے علم حاصل کرتے ہیں چاہئے کہ مجھ سے قریب ہوں۔
- اللہ نے عقل سے زیادہ کوئی چیز عمدہ اور معزز نہیں پیدا کی۔
- جس شخص سے دنیا سمیٹ لی گئی اس کے لئے بہتر ہوا۔
- انسان کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ کفایت شعار ہو۔
- جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی وہ اس کے لئے کافی ہے
- حسن و جمال کے لئے تکبر آفت ہے۔
- مردسخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری۔
- جب تمہارے پاس کسی قوم کا شریف و معزز آئے تو اس کی عزت و تکریم کرو۔
- جب کوئی تم سے ملاقات کرنے آئے تو اس کی تکریم کرو۔
- جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو اپنے میں ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔
- جب تین آدمی ہوں تو تیسرے سے الگ، دو سرگوشی نہ کریں۔
- خبردار ہو آدمی کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ اچھا بن جائے تو سارا جسم اچھا، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو وہ "دل" ہے
- جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اسے چاہے مان لو جب تم سے یہ کہا جائے کہ کسی شخص کی فطرت (جبلت) بدل گئی تو یہ کبھی نہ مانو وہ پھر اپنی فطرت کی طرف لوٹ جائے گا۔
- مومن کی مثال ہری بھری کھیتی کی سی ہے کہ ہوائیں اسے اونچا نیچا کرتی رہتی ہیں، کبھی بٹھا دیتی ہیں .... کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہیں تا آنکہ اس کی مدت حیات پوری ہو جاتی ہے (نشیب و فراز کا سامنا کرنا پڑتا ہے مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ آرام و راحت بھی حاصل ہوتی ہے۔ کسی حال میں استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے)۔
- غریبوں کے ساتھ دوستی رکھو، امیروں کی مجلس سے احتراز کرو۔
- جو ضامن ہے وہ تاوان کا ذمہ دار ہے۔
- قضا کو دعا ہی ہٹاتی ہے
- جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے وہ رد ہے
- تجارت میں رزق کے ۹/۱۰ حصے ہیں۔
- مومن کے لئے موت، اس کے رب کی طرف سے تحفہ ہے۔
- موت ایک ایسا راستہ ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔
- سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو لین دین میں جھوٹ نہیں بولتے اور اہل معاملہ سے وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے۔
- جو شخص کسی عیب دار چیز کو، اس کا عیب خریدار پر ظاہر کئے بغیر بیچ دے اللہ کبھی اس سے خوش نہ ہوگا (یعنی جب تک اس کی تلافی نہیں کرتا)۔
- جو کاروبار میں راست باز ہیں، بروز حشر وہ سایۂ عرش کے نیچے ہوں گے۔
- جو اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کی جائے گی۔

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی رح

سیرت و کردار کے آئینہ میں

از جناب منصور نعمانی ندوی (بھوپال)

ندوہ نے مولانا حالی کی زبان میں سید سلیمان ندوی رح کو پیدا کیا، اور سچ بھی یہ ہے کہ سید صاحب ندوہ کے گل سرسبد اور علم و فن میں آفتاب و ماہتاب تھے، لیکن سید صاحب ہی کے بیچ یا ان کے کچھ بعد کے لوگوں میں ندوہ نے اور بھی یگانۂ روزگار فضلا پیدا کئے ہیں جیسے سید ضیاء الحسن علوی ندوی رح، ندوہ کا لعل شب چراغ عبدالرحمٰن نگرامی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی رح، مولانا مسعود علی ندوی رح، حاجی شاہ معین الدین احمد ندوی رح، پروفیسر عبدالباری ندوی وغیرہ، یہ گروپ ندوہ کا ابتدائی سرمایہ تھا اس کے بعد سید صاحب رح کے زیر تربیت یا دور قیادت میں جو گروپ پروان چڑھا اس نے بھی علم و فن میں کافی پیش رفت کی تحقیق و تدقیق میں نام کمایا، فضیلت و علمیت میں یہ گروپ بھی سید صاحب رح کا نقش ثانی کہلانے کا مستحق ہے، اس گروپ میں شاہ معین الدین احمد ندوی رح جیسا مایۂ ناز مصنف نظر آیا جس نے دارالمصنفین کی آبرو قائم رکھی اور علمی و تحقیقی کارنامے انجام دے کر ارباب علم کو متحیر کر دیا، رئیس احمد جعفری رح جیسا بیباک اور جری صاحب قلم نمایاں ہوا جس نے علم کے علم کو سرنگوں ہونے سے بچایا، نجیب اشرف ندوی رح جیسا مورخ منظر عام پر آیا جس نے ژرف نگاہی اور مہارت فن سے تحقیق کے میدان میں خوب گل افشانی کی، مولانا مسعود عالم ندوی رح جیسا عربی کا ادیب و خطیب معرض وجود میں آیا جس نے سلامتی، ذوق صحافتی شوق اور پاکیزہ نگاری کے خوب خوب جوہر چمکائے، ریاست علی ندوی جیسا تاریخ و سیاست کا ماہر منظر عام پر آیا جس نے تاریخ کے فن میں ناقابل فراموش کارنامے انجام دئے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسا عربی کا ادیب و خطیب نظر آیا جس نے عالم عربی پر دھاک جمائی اور خاندانی فضل و کمال، علم اور بے پناہ وسعت نگاہ کے سبب ندوہ کو شہرت دوام کے ساتھ حیات نو بخشی، مولانا محمد ناظم ندوی جیسا عربی کا بیدار ادیب ظاہر ہوا جس نے "خطبات مدراس" کا عربی ترجمہ کر کے خوب داد تحسین وصول کی، مولانا محمد عمران خاں ندوی جیسا عزم و حوصلہ کا آہنی قلعہ اور مجاہد نظر آیا جس نے نمایاں خدمت کی بنا پر ندوہ کے نام کو اونچا کیا اور خداداد صلاحیت و قابلیت کا خوب خوب لوہا منوالیا، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی جیسا ایثار نفس، قلم بردار مرد میدان پیدا ہوا جس نے صلاحیت و قابلیت کے خوب جوہر دکھلائے مولانا محمد اویس نگرامی ندوی رح نظر پڑے جنہوں نے اپنے محسن و استاذ علامہ ندوی رح سے جو کچھ حاصل کیا عمر بھر اسی کی حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دیا اور فن تفسیر میں امتیاز و اختصاص پیدا کر کے ارباب علم و اصحاب فضل کو انگشت بدنداں کر دیا۔

یہ گروپ ایک مستحکم و مربوط کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اگر ان میں سے ایک کو بھی کم کر دیا جائے تو ندوہ کے اس بیچ کی صحیح تصویر دھندلی پڑ جائے گی اور تاریخ ندوہ کے سنہری اوراق بکھر کر رہ جائیں گے۔

مولانا نگرامی ندوی رح نگرام جیسے مردم خیز قصبہ سے متعلق تھے مولانا کا خانوادہ علمی وقار، دینی وجاہت اور طریقت و سلوک ذروۂ علیا پر تھا، اس دینی و علمی خانوادہ کے ارباب فضل و کمال نے اصلاح باطن اور تزکیۂ نفوس میں صوبہ اودھ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، مرحوم کے پردادا مولانا عبدالعلی صاحب مرحوم اور دادا مولانا ادریس نگرامی رح بڑے عالم اور صوفی باصفا تھے، والد ماجد مولانا انیس نگرامی بھی علم و رشد میں اپنی عمر عزیز صرف کرتے رہے مولانا اویس رح کو تربیت کا بانکپن اور طریقت و سلوک کا ذوق گویا ورثہ میں ملا تھا جس کے سبب انہوں نے بھی اسلاف کی روایت کو ایک حد تک قائم رکھا، پھر استعداد فطری اور ذہانت خداداد نے ان کی شخصیت میں جلوہ گری کی تھی فضیلت علمی کے ساتھ فطری مواہب نے چار چاند لگائے تھے جس کی وجہ سے وہ علماء و فضلاء کی صفوں میں ہمیشہ ممتاز رہے۔

مولانا اویس نگرامی سنہ [illegible] میں نگرام میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد مرحوم سے حاصل کی اور جب اس راہ میں چل نکلے تو ان کے روشن ضمیر والد نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیا، ندوہ کے ماحول نے ان کو مہمیز دی اور وہاں ان کو اپنی صلاحیت کے نکھارنے کے بہترے مواقع ملے، اس زمانہ میں ندوہ ممتاز و فائق اساتذہ سے بہرہ مند تھا، شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی، مولانا حفیظ اللہ مرحوم، مولانا شبلی متکلم، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی اور پھر سید صاحب کی معتمدی کا سنہری و ناقابل فراموش دور، سید صاحب رح کی جوہر شناس نگاہ نے اس "مس خام" کو بھانپ لیا تھا، سنہ ۱۹۲۹ء میں ندوہ سے سند فراغت لی، فراغت کے بعد سید صاحب نے دارالمصنفین میں اپنے زیر تربیت بلالیا۔ اب اس "مس خام" کو "کندن" بننا مقدر تھا۔ سید صاحب کے فیض صحبت نے اس ذرہ کو جلا بخشی، معارف جیسے وقیع علمی و تحقیقی ماہنامے میں ان کے علمی و تحقیقی مضامین کا سلسلہ شروع ہوا جس کی علمی حلقوں میں دھوم مچی، سید صاحب رح کو قرآن اور علوم قرآن سے کافی شغف تھا۔ مولانا نگرامی کو بھی اس جانب متوجہ کیا۔ سید صاحب رح نے علامہ ابن قیم رح، ابن تیمیہ رح، جلال الدین سیوطی، امام رازی کی کتابوں کا شوق دلایا چنانچہ وہ ان کی کتابوں سے عطر کشید کرنے لگے اور پھر ابن قیم رح و ابن تیمیہ رح سے ایسی عقیدت و تعلق ہو گیا کہ کوئی مجلس ان کے ذکر خیر سے خالی نہیں ہوتی۔ تفسیر ابن قیم کو ایڈٹ کر کے شائع کرنا اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس تفسیر نے ارباب علم سے خوب داد پائی، عالم عربی سے اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، شاہ ولی اللہ دہلوی مرحوم اور مجدد الف ثانی رح کا تذکرہ بھی بڑی عقیدت و جذبۂ نیازمندی سے کیا کرتے تھے عقائد میں شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ... العقیدۃ الحسنۃ کی شرح العقیدۃ السنیۃ کے نام سے کی جس کو قبولیت عام عطا ہوئی، عربی مدارس میں وہ داخل نصاب ہوئی، عالم عربی میں بھی اس کی بہت مانگ ہے—

دارالمصنفین کے دوران قیام میں طلبہ میں ذوق قرآن کو عام کرنے کے لئے "تعلیم القرآن" نام سے ایک کتاب ترتیب دی، جس میں عبادات، عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ جیسے بیش بہا موضوعات پر قرآن کی آیات اور اس کی مختصر تشریح طلبہ کے ذہن کو سامنے رکھ کر کی ہے اس کی زبان بہت سہل، سادہ، عام فہم ہے یہ کتاب بھی کافی مقبول ہوئی، لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ "صبح صادق" کے نام سے مولانا کی نگرانی میں عرصہ تک نکلتا رہا اس میں آج کا پامال موضوع "کچھ دیر اہل حق کیساتھ" مولانا ہی کے قلم سے نکلا کرتا تھا اس سلسلہ کو کافی پسند کیا گیا، "صبح صادق" کا ایک ضخیم نمبر "حدیث نمبر" بڑی آب و تاب کے ساتھ نکلا تھا اس نے بھی ارباب علم سے خوب خوب داد پائی تھی، آپ کا موضوع چونکہ قرآن تھا اس لئے طلبہ کے لئے "قرآن کا مطالعہ کیسے؟" لکھی یہ کتاب طالبان قرآن کے لئے رہنما اصول کا درجہ رکھتی ہے۔

مولانا نگرامی آہنی عزم و حوصلہ کے انسان تھے اور کام خلوص و لگن سے کرنے کے عادی، اس بحرانی و ہیجان کے دور میں پتہ مارنے والی بات ایک خواب ہو کر رہ گئی مگر مولانا اس خوبی سے بھی مرصع تھے، ان کی علالت کے دوران بھی یہ وصف نمایاں ہو کر رہا، شدید قسم کے قلبی دورے پڑتے رہے لیکن آہ و کراہ، نالہ و شیون، حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، دو تین سال کا لمبا عرصہ ہنستے کھیلتے برداشت کر گئے جب ذرا طبیعت میں افاقہ ہوا مطالعہ کا سلسلہ جاری کر دیتے بیٹھنے سے معذوری پر ٹیک لگا کر تفسیری کتابوں کا مطالعہ کرتے، مولانا کو تفسیری کتابوں سے عشق تھا اور عشق نبوی سے بھی سرشار تھے اس لئے حدیث کا بھی ایک ذخیرہ جمع کیا، حدیث و تفسیری کتاب کو اپنے کتب خانہ کی زینت بناتے وہ نادر عربی تفسیریں جو ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوتیں وہ بلاد عربیہ سے بھاری مصارف کر کے منگاتے تھے پھر ان کتابوں کا مطالعہ بڑی جانکاہی سے کرتے اہم نکات ذہن نشین کرتے اور طلبہ کے ظرف کا لحاظ کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً اس خزانہ کو ڈھیر کر دیتے، جن لوگوں کو مولانا کے درس قرآن سے استفادہ کا موقع ملا ہے ان کے طرز تحقیق کو دیکھا ہے ان کے حسن استدلال کو پرکھا ہے ان کی وسعت نگاہ کو جانچا ہے انہوں نے یہ بات محسوس کی کہ قرآن کے اسرار و رموز، نکات و معانی کس شان اور جلالت علم سے آپ بیان فرماتے تھے ع

وہ بات کوہکن کی گئی کوہکن کے ساتھ

باایں جلالت و تقویٰ مزاج میں شوخی، طبیعت میں تازگی، باتوں میں سنجیدہ ظرافت کی آمیزش بھی ہوتی جس سے باتیں طلبہ کے ذہن نشین ہو جائیں، پھر درس قرآن کے دوران احادیث رسول سے استدلال، فقہ کی رعایت، صرفی و نحوی ترکیبیں، اصول بلاغت و فصاحت سے

آگاہی، شریعت نیرہ کے رہنما اصول اس خوبی و ملنظ سے کرتے کہ ہم جیسے کم فہم طلبہ حیران ہو ہو کر رہ جاتے، انداز تخاطب، طرز القاء اس قدر دلکش و دل نشین کہ ع

بلائے جاں ہے غالب اسکی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

کا مصداق —!

مولانا ندوی کے علمی و تحقیقی کارناموں کی مختصر تفصیل کے بعد ان کی سیرت و کردار کی مرقع نگاری بھی لازمی سی ہے کہ اس کے بغیر ان کی پوری تصویر اور ان کی خصوصیات کا جائزہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

مولانا میں وضعداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی حقیقت یہ ہے کہ مرحوم جس دور کی پیداوار تھے وہ دور ختم ہو گیا اب ان جیسے باضمیر، بے نفس، نیک طینت انسان پیدا ہونے کے نہیں ایک دو صورتیں اس دور کی اب بھی باقی ہیں مگر وہ بھی جھلملاتی شمع کی طرح ہیں۔ مولانا اعلیٰ صفات و کمالات کا پیکر تھے ایسی صورتیں خانقاہوں، اداروں، مدرسوں میں اب خال خال ہی نظر آتی ہیں، نخوت و تکبر کی پرچھائیں تک آپ پر نہیں پڑی تھیں، فطری طور پر مولانا بہت سادہ، مخلص اور خود دار شخصیت کے مالک تھے انہیں نہ زر و جاہ کی طلب تھی نہ اقتدار کی ہوس، کسی کو اس لئے فوقیت نہیں دیتے تھے کہ وہ صاحب ثروت ہے یا اس لئے حقیر نہ سمجھتے کہ وہ نادار ہے، اپنے ہر ملنے والے کی بیحد عزت کرتے، چھوٹوں کے ساتھ بڑی رواداری اور مدارات کا معاملہ کرتے، اپنی کسی بات اور طریقہ سے اس کا خفیف سا احساس تک نہ ہونے دیتے کہ وہ ان سے فروتر ہیں۔

مرحوم بڑے خود دار، ایثار پسند انسان تھے کسی کا احسان گوارا نہیں کرتے تھے خاکساری و فروتنی کا مجسمہ تھے، مجلس میں صدر پر بیٹھنا یا صدر بننا پسند نہیں کرتے تھے، مرحوم کے ملنے والوں کا دائرہ بہت وسیع تھا ہر صنف و طبقہ کے لوگ آتے اور عقیدتمندی و محبت کے آداب بجالاتے ان میں اعلیٰ عہدہ دار بھی ہوتے جاگیر دار بھی، نزاکت و تمکنت کے پتلے بھی، وکلا بھی تجارت پیشہ بھی، امرا بھی اور عامی بھی، بات ہر ایک کی نہایت خندہ جبینی سے سنتے اپنی رائے ٹھونسنا تو گویا وہ جانتے ہی نہ تھے، ان کی برجستہ گوئی، حاضر جوابی، بذلہ سنجی، نکتہ آفرینی، زبان دانی دیکھنے کی چیز تھی ع

ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہر خوبی پہ دم نکلے

ان کی نجی محفلیں بڑی باغ و بہار ہوا کرتی تھیں، مرحوم رقیق القلب بھی بلا کے تھے دوسروں کی تکلیف پر سراپا پیکر الم بن جاتے، دوسروں سے کام لینے کا انہیں بڑا اچھا سلیقہ تھا وہ بات نہایت مہرآمیز لہجہ میں کہتے اور ہمت افزائی بھی کرتے کہ لوگ خوشی خوشی کام میں جٹ جاتے۔

علم اور صاحب علم ہونا بڑی بات نہیں انسان ہونا بڑی بات ہے مرحوم جیسے صاحب کمال عالم و فاضل تھے اس سے زیادہ اعلیٰ قسم کے انسان تھے، بلند نگاہ، قلندر صفت، قلندر سیرت ان کی زندگی شرافت علم اور شرافت نفس کے امتزاج کی نمود تھی، ان کی زندگی جہاں ان کے کمال اور ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا مرقع ہے وہیں مالی دشواریوں کا افسانہ بھی ہے لیکن لب شکایت کو غیرت نے سی دیا تھا، مزاج میں قلندرانہ شان بھی اور یہ شان آخر دم تک آن کے ساتھ باقی رہی انہوں نے روپیہ پیسہ کو کبھی مقصد زندگی نہیں سمجھا وہ چاہتے تو روپیہ کے انبار لگ جاتے اور نہ وہ شہرت کی تلاش میں سرگرداں رہے ان دونوں باتوں سے کنارہ کش ہو کر خلوص دل کے ساتھ علمی و تحقیقی کاوشوں میں منہمک رہے جن لوگوں نے ان کو دیکھا پرکھا وہ ان کو شہرت تو کیا دیتے الٹا انہی سے فیض حاصل کر لیتے،

طبیعت میں بے حد سادگی اور بلا کا سوز تھا ان کا دل ایک پاک طینت صوفی کا دل تھا جس میں سوائے محبت کے کچھ نہ تھا، انہیں غم روزگار سے بھی محبت و الفت تھی، کردار میں بڑی اینچ اور جواں مردی تھی علالت کئی سال سے مستقل عنوان حیات بن چکی تھی مگر بیماری میں جب ایسا رخ آتا جہاں بڑے بڑے جی گردے کے لوگ بے سکون ہو جاتے ہیں وہاں انہیں سکون آجاتا تھا بدخواہوں کے ساتھ نباہ کرنے کا سلیقہ مرحوم نے خوب پایا تھا زندگی کے ادوار میں ناسازگار حالات بھی آئے، غیروں بدخواہوں نے طعنے دئے انہوں نے پریشان کیا ان سے ملول خاطر ضرور ہوئے لیکن غالب کی طرح ع

"دوستی اس بت بدخو سے نباہیں کیونکر"

پر عمل کیا بلکہ بتان بدخو سے مدارات اور تعلق خاطر آخر دم تک قائم رکھا مصائب سہنے کے لئے قدرت نے ان کو عجب دلنواز دل دیا تھا اور یہ مولانا کا وہ وصف تھا جس نے میری نظر میں ان کے ہمعصروں میں ان کو نمایاں کر دیا تھا، یہی تو وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ دشمنوں اور بدخواہوں کے لئے بھی کشش کا باعث اور اپنوں کے لئے سرمایۂ نازش تھے۔

مولانا کا ذوق نہایت نفیس و پاکیزہ تھا، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، پوشاک، خوراک غرض یہ کہ ہر چیز میں نفاست کی جھلک تھی ان کی زندگی بہت حسین، منظم اور بہار زندگی تھی، وہ سیاست اور ریا و نفاق کے نام سے ناآشنا تھے ان کا ظاہر و باطن بالکل ایک تھا جو دل میں ہوتا وہی زبان پر بھی ہوتا ان کی زندگی ایک کھلی ہوئی بیاض کے مانند تھی جس کو ہر شخص پڑھ سکتا تھا مروت آپ کا خاص جوہر تھا، خود نمائی اور تعصب سے آپ کو نفرت تھی۔

مولانا مسلمانوں کی زبوں حالی، علمی بے مائگی اور اخلاقی بحران پر آنسو بہایا کرتے تھے وہ اس دلسوزی، خلوص و سچائی سے اپنی بات کہتے کہ طلبہ باچشم گریاں اور باسینۂ بریاں اٹھتے ع

"عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں؟"

مولانا مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی کے علم اور وسعت نگاہ اور تحقیقی شان کے بڑے قائل و مداح تھے سید صاحب کا تذکرہ بڑی محبت و عقیدت سے کرتے، بعض اوقات شدت تاثر سے آنکھیں گنگا جمنی بھی ہو جاتیں، مولانا مناظر احسن گیلانی کی علمیت کے بڑے قائل تھے، مولانا شروانی کا تذکرہ بڑی محبت و عقیدت سے کرتے، علامہ شبلی کے نام کے ساتھ استاذ الاساتذہ کہتے ان کی مورخانہ نگاہ اور ادبیت کے بڑے مداح تھے، فرماتے کہ "شبلی و سلیمان کی کتابیں اردو ادب سیکھنے کے لئے لازمی ہیں" مولانا عبدالحی صاحب رح رائے بریلوی کا تذکرہ بڑے شوق و جذب سے کرتے، ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مرحوم کی للہیت اور [illegible] شان کا تذکرہ بڑے کیف آگیں انداز میں کرتے اور ان کو "میرے محسن" کے نام سے یاد کرتے، مولانا آزاد رح کی انشاپردازی و وسعت معلومات کے قائل تھے، مولانا عبدالباری ندوی رح کے علمی وقار کا تذکرہ خوب کرتے اور فرمایا کرتے

"یہ چراغ سحر ہیں ندوہ کی تاریخ ہیں، ان سے استفادہ کر لو"

افسوس کہ اس چراغ سحری کے بجھتے ہی یہ "شمع فروزاں" بھی خود گل ہو گئی۔

مولانا دریابادی سے بڑا خصوصی تعلق تھا، ان سے محبت و عقیدت بھی بلا کی تھی ان کے متعلق فرمایا کرتے کہ:

"مولانا دریابادی رح نے جس جانکاہی و محنت سے اردو و انگریزی تفسیر کو لکھا ہے اور جس تعب و دشواری کے مراحل سے وہ گزرے ہیں وہ قابل تقلید ہے علماء اور تحقیقی کام کرنے والوں کو اگر ان جیسی تڑپ، سوز، لگن میسر ہو جائے تو بڑے بڑے معرکۃ الآراء علمی و تحقیقی شاہکار منظر عام پر آ سکتے ہیں مگر افسوس کہ ہم سے بہت سے لوگ تخریب اور تخرب میں مبتلا ہیں اور یہی ہماری علمی کم مائیگی اور اخلاقی بحران کا اصل سبب ہے"

دوستوں اور بڑوں میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب علی حسن خاں، نواب سر مزمل اللہ خاں، قاری محمد طیب صاحب، مولانا مدنی، حضرت تھانوی، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مولانا مسعود علی ندوی، رشید احمد صدیقی، رئیس احمد جعفری ندوی، ریاست علی ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی قدوائی، مولانا عمران خاں ندوی کا تذکرہ بڑے شوق سے کرتے اور تمام بزرگوں کے کارنامے وقتاً فوقتاً طلبہ کے ذہن نشین کرتے، مولانا محمد عمران خاں ندوی ان کے ہمدم و ہمراز تھے [illegible] برادرانہ، عزیزانہ بے تکلفانہ تعلقات ان دونوں میں دیکھے گئے وہ بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آئے ہیں ان کے تعلقات قابل رشک تھے جب خانصاحب لکھنؤ چلے جاتے تو مولانا اویس صاحب کی خوشی و مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی آخری زمانہ میں پیہم حادثات اور مستقل بیماریوں سے چہرہ پر اضمحلال کے آثار نمایاں ہو گئے تھے مگر خانصاحب کی آمد کی خبر سے مولانا کا ہر موئے بدن کھل اٹھتا اور جب دونوں کا معانقہ و مصافحہ ہوتا تو دونوں ایک دوسرے کے در پے ہو لیتے، دونوں دفتر شکایت کھولتے، یہ جواب دیتے وہ الزامی جواب لگاتے ادھر سے طنز لطیف کی ہلکی بوچھار ادھر سے طنز کی بوچھار، غرض دونوں سوز دروں کے ارمان نکالنے کی سوچتے کہ ع

پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

انتقال بھی قابل رشک ہوا جمعہ کا مبارک دن، شعبان کی تیس تاریخ اور یکم رمضان کو تدفین یہ قبولیت خداوندی کی زبردست دلیل ہے ع

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے

افسوس کہ ۲۲ اگست ۱۹۷۶ء کو [illegible] سال کی عمر میں یہ قیس علم و فضل، یہ طہارت و تقویٰ کا مجسمہ، یہ علم و کمال کا مرقع، یہ شارح قرآن، یہ حدیث رسول کا شیدا، یہ عشق رسول سے سرشار، یہ ندرت کا علمبردار، انتقال کر گیا، خدا ان کی روح کو ابدی و سرمدی سکون بخشے، ان کا قرآن سے عشق اور تفسیر سے شغف بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو، پروردگار ان کی تربت پر نور کی بارش کرتا رہے اے شفیق استاذ الوداع، اے متاع علم و فضل الوداع—!!

اسلام

ایک حقیقی ضرورت

تحریر، صلاح ابو اسماعیل — تلخیص و ترجمہ، محمد ظفر پربھنوی

اسلام، اللہ کے بندوں پر اللہ کی نعمتوں میں سب سے زیادہ واضح نعمت ہے کیونکہ یہی وہ طریقۂ حیات ہے جو بصیرت و بصارت اور دلوں کی بہترین تعمیر کا ضامن ہے۔ یہی تنہا لائحۂ عمل ہے جو ایک اچھی اور نیک فضا کے لئے سازگار ہے اور ایک بے مثال معاشرہ کی تعمیر کے لئے تمام جماعتوں کا طریقۂ کار بھی یہی ہے۔ وہی ایک کامیاب حکومت کے لئے سچا قانون ہے۔

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے اسلام کی حفاظت کا ذمہ بلا کسی شرط و قید کے لے لیا، چاہے لوگ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ ۔ ۔ ۔ ۔ تا ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم"

(اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تا یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ

اسی طرح یہ بھی اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ بغیر کسی شرط و قید کے لیا چنانچہ کتنی صدیاں بیت گئیں جن کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر شاہد عدل ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم ۔ ۔ ۔ ۔ تا تنزیل من حکیم حمید"

یہ بھی اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے کہ اس نے مسلمانوں کے عروج کا وعدہ اسی وقت کیا جب کہ وہ اسلام پر پوری طرح ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہیں، کیونکہ اسی میں نجات ہے چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے،

"یا ایھا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم"

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدموں کو جما دے گا)

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ بسا اوقات مریض کو شہد کڑوا لگتا ہے حالانکہ شہد میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

خود قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اس فرق کو بیان فرمایا ہے کہ قرآن صرف صحیح القلب لوگوں کے لئے ہی موثر ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"وننزل من القرآن تا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ولا یزید الظلمین الا خسارا"

قرآن کے دلوں پر اثر انداز ہونے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بارش اور زمین کی۔ چنانچہ زمین اچھی ہو تو برسات کے بعد وہ ہر قسم کی خوشنما چیزوں کو اگاتی ہے اور اگر بنجر زمین ہو تو بارش کی وجہ سے یا مٹی جمع ہو جاتی ہے یا گڑھے ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ انسان قرآن سے اس صورت میں مانوس ہو جائے کہ وہ رحمٰن جس نے قرآن کا علم سکھایا اسی نے انسان کو بھی پیدا کیا۔ لہٰذا دونوں کا مرکز ایک ہوا۔ اور یہی انسان اور قرآن کو ملانے والی بنیادی کڑی ہے۔ البتہ جن کو ہم قرآن سے متنفر دیکھتے ہیں تو دراصل قصور ان کا ہے نہ کہ قرآن کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتنا صحیح ہے "دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر اس کی صفائی کی اے اللہ کے رسول کیا صورت ہے؟ فرمایا قرآن کی تلاوت اور موت کا تذکرہ"

آج کل وہ لوگ جن کا ذوق فاسد اور جن کی طبیعت منحرف ہو چکی ہے ان کا خیال ہے کہ اسلام ایک مقررہ وقت تک کی ہدایت کے لئے آیا تھا۔ اب وہ وقت ختم ہو چکا۔ اور یہ کہ وہ ایک محدود ماحول کی اصلاح کے لئے آیا تھا اور اب وہ ماحول نہ رہا۔ اب ہم بیسویں صدی میں ہیں جو تہذیب و تمدن کا زمانہ ہے اور قرآن جس کا نزول چودہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ اب زندگی کی رہنمائی کے لائق نہ رہا۔

تو انسانیت چاہے وہ بیسویں صدی میں ہو یا اور بعد کی صدیوں میں، وہ بہر حال عدل و انصاف، آزادی، مساوات، حلم، بھائی چارگی اور امن وغیرہ سے بے نیاز تو نہیں رہ سکتی۔

وہ تبدیلی جو مادی چیزوں میں ہو سکتی ہے، روحانیت میں ہرگز نہیں ہو سکتی تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ جو لوگ اسلام سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہی عدل و انصاف، حریت، مساوات، حلم، بھائی چارگی اور امن وغیرہ کے داعی ہیں اگر یہ لوگ اپنے دعوے میں سچے ہوتے تو ہرگز اسلام کی مخالفت نہ کرتے۔ کیونکہ اسلام نے ان اصولوں کی طرف بڑی قوت اور وضاحت کے ساتھ دعوت دی ہے۔

اس تجزیہ سے یہ بات ضروری ہو گئی کہ یہ لوگ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اعتراف کریں۔ یا تو جہل مرکب ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اسلام کی مخالفت پر مجبور ہوئے یا پھر یہ کہ یہ لوگ اپنی خواہشات اور اغراض و مقاصد کے غلام ہیں۔

بہر کیف کسی بھی صورت میں کوئی جاہل زندگی کی رہنمائی کے بالکل لائق نہیں اور اپنی بے تکی خواہشات کے اسیر و قیدی کو بحث کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

ان جیسے لوگوں کو قیادت اور سیادت کے شرف سے علیحدہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی معاشرہ کے داعیوں پر یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے باطل خیالات کو عام مسلمانوں کی حفاظت کے لئے دلائل کے ساتھ غلط ثابت کر دیں۔ اور باطل، حق کی غفلت کی حالت ہی میں جاندار ہوتا ہے۔

"آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور اور باطل مٹ گیا، بلاشبہ باطل مٹنے کے لئے ہی ہوتا ہے۔"

(قرآن کریم)

ان کا یہ خیال ہے کہ وہی عدل و انصاف کے داعی ہیں جب کہ وہ دینِ عدل ہی کے مخالف ہیں۔

جی ہاں! اسلام دینِ عدل ہے۔

اللہ رب العزت نے ہی اسے عادل فرمایا۔ اسلام نے اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل و انصاف کو فرض قرار دیا جیسا کہ دوسری چیزوں کو مقرر کیا۔ چنانچہ حدیث نبویؐ ہے کہ:

"تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ آخر الحدیث"۔

اسلام نے بیٹوں کے ساتھ معاملہ میں بھی عدل و انصاف کو فرض کہا ارشاد نبویؐ ہے:۔

"اپنی اولاد کے درمیان بھی عدل سے کام لو چاہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

بیویوں کے ساتھ بھی عدل کو ضروری قرار دیا، ارشاد نبویؐ ہے:۔

"جو شخص اپنی عورتوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام نہ لے گا وہ روز قیامت کو اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک جانب جھکا ہوا ہوگا" وغیرہ وغیرہ۔

آج ہمارے معاشرہ کو فقر، فرضے، فاقہ وغیرہ کا شکوہ ہے اور وطن عزیز کا ایک حصہ ہمارے بدترین دشمن کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے وہ کرب و الم میں مبتلا ہے تو یہ سب اللہ رب العزت سے دوری کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وضرب اللہ مثلاً قریۃ ۔ ۔ ۔ ۔ تا بما کانوا یصنعون"

قرآن کی نظر میں ان تمام امراض کا اصلی سبب یہ ہے۔ اور ان امراض سے بچاؤ کا راستہ ایمان اور تقویٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

"ولو ان اھل القریٰ ۔ ۔ ۔ ۔ تا فاخذناھم بما کانوا یکسبون۔"

اسلام ان تمام مصائب سے خلاصی کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اسلام کا مشروط اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر ظاہر و باطن ہر صورت میں مکمل رضامندی اور کامل سپردگی ہو۔ ارشاد ربانی ہے:۔

"تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک کامل ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے نزاعات میں آپ کو حاکم نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلے سے کوئی رکاوٹ نہ محسوس کریں اور کامل اطاعت کریں"

البتہ جہاں تک غیر مسلم باشندوں کا تعلق ہے تو انہیں ان کا دین مبارک اور ہم کو اپنا کوئی آسمانی دین ایسا نہیں ہے جو برائی کے وجود کو برداشت کر لے یا اسے پناہ دے لیکن اسلام اپنے عقائد کسی پر زبردستی لاگو نہیں کرتا کیونکہ "دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں" وہ تو اپنی شریعت اس کے ضروری قرار دیتا ہے جو اللہ جل شانہٗ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول تسلیم کر لے — !!

از جناب محمد ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دار العلوم، دیوبند

شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی یاد

غالباً ستمبر ۱۹۴۳ء کی بات ہے خاکسار نے مفتاح العلوم مئو (اعظم گڈھ) سے ابھی شعبان میں فراغت حاصل کی تھی، شوق تھا کہ دار المصنفین اعظمگڈھ میں کچھ دن گذاروں، میں نے ڈرتے ڈرتے اپنے اس اشتیاق کا تذکرہ اپنے استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہٗ سے کیا، فرمانے لگے جب کبھی اعظم گڈھ جانا ہوگا اور سید صاحب (امیر العلماء حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ) سے ملاقات ہوگی اور موقع ہوگا تو ان سے گفتگو کروں گا۔

استاذ مکرم کا اعظم گڈھ جانا آنا برابر ہوتا تھا، چنانچہ ایک ہفتہ بھی ابھی نہیں گذرا تھا کہ حضرت الاستاذ مدظلہٗ موصوف دار المصنفین تشریف لے گئے، اور واپسی کے بعد فرمایا کہ سید صاحبؒ نے ایک طالب العلم کی فرمائش چاہی تھی جس کو فقہ سے مناسبت ہو، میں نے تمہارا نام پیش کر دیا بہت سارے سوالات کئے گئے تھے، میں نے انہیں اطمینان دلا دیا ہے کہ وہ انشاء اللہ ہر طرح بہتر ثابت ہوگا، اور اس کی سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ "میں اسے آپ کی خدمت میں بھیجوں گا آپ خود دیکھ سن لیں گے" لہٰذا تم چاہو تو چلے جاؤ، میں نے آمادگی ظاہر کی، مولانا مدظلہٗ نے ایک تعارفی خط لکھ کر میرے حوالے فرمایا۔ ساتھ ہی شیروانی کا ایک کپڑا دے کر فرمایا کہ تم یہ کپڑا مولانا محمد اویس نگرامی کو دیدینا۔

مئو سے اعظم گڈھ کچھ زیادہ دور نہیں، دوپہر میں چل کر سہ پہر میں اعظم گڈھ پہونچا — دار المصنفین حاضر ہو کر پہلے مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی کا نام پوچھا، چنانچہ مجھے انکی خدمت میں پہونچا دیا گیا، مولانا محمد اویس صاحب سے یہ میری بالکل پہلی ملاقات تھی، مولانا بڑے تپاک سے ملے، انہوں نے ہی بتایا کہ سید صاحب جونپور گئے ہوئے ہیں، پرسوں واپسی ہوگی، جب میں واپس ہونے لگا کہ پھر پرسوں آجاؤں گا تو مولانا نگرامی نے مجھے اصرار کے ساتھ روک لیا کہ آپ میرے مہمان بنکر دو دن یہیں قیام کریں اور سید صاحب سے مل کر جائیں۔ چنانچہ دو دن ان کا مہمان بن کر دار المصنفین میں رکا رہا۔

مولانا نگرامی ان دنوں حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں قرآن کا مطالعہ کر رہے تھے، یہ واقعہ ہے کہ میں مولانا کی محبت و شفقت سے بہت متاثر ہوا۔ مولانا ابو العرفان صاحب استاذ دار العلوم ندوہ بھی ان دنوں وہیں مقیم تھے اور آپ بھی سید صاحب کی زیر نگرانی کلام اور معقولات کے مطالعہ میں مشغول تھے، ان دونوں حضرات سے میری طبیعت مانوس ہو گئی۔

یہ مولانا نگرامی کی نوجوانی کا زمانہ تھا، آپ بڑے خوش طبع، ملنسار، ذی علم اور با اخلاق عالم دین تھے، جس سے ملتے بڑے خلوص سے ملتے، مولانا کا یہ احسان میں نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے مجھے سید صاحب سے ملنے کا طریقہ بتایا اور پھر سمجھایا کہ سید صاحبؒ کا مزاج کیا ہے، اس کی رعایت کتنی ضروری ہے، اور ان کی ہی ہدایت کا نتیجہ تھا کہ سید صاحب سے ملنے کے بعد دل مل گیا، اور خود سید صاحب بھی بیحد شفقت فرمانے لگے اور تا زندگی یاد رکھا اور علمی رہنمائی فرماتے رہے، بحمد اللہ آج بھی خاکسار کے پاس سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھے ہوئے کوئی ۵ خطوط محفوظ ہیں۔

غالباً تین چار دنوں کے قیام کے بعد میں مئو واپس آگیا، وہاں یہ طے پایا کہ پہلے سال بھر ندوہ میں گذاروں، پھر کوئی اگلا قدم اٹھ سکے گا۔ رمضان سر پر تھا میں وطن چلا گیا۔ رمضان کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنی بیماری کی وجہ سے ندوہ نہیں جا سکا، محرم میں بیماری سے جب شفا پائی تو حضرت سید صاحبؒ کے ایماء اور حضرت الاستاذ مدظلہٗ کی طلب پر مئو آگیا، اور یہ پورا سال درس و تدریس میں وہیں مفتاح العلوم میں گذارا،

جزاہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مراتب زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے، جو مجھے اپنا استاذ کہتے اور مانتے ہیں وہ اسی سال کلمۃ (؟) رہے، یہ دونوں عالمان دین اونچے درجہ کے استاذ ہیں اور جب مجھے اپنا استاذ بتاتے ہیں تو میں اپنی کم علمی کی وجہ سے شرما جاتا ہوں مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ دل سے ان کے لئے دعائیں نکلتی ہیں، مولانا سید الرحمٰن سلمہٗ کی نیک طبعی اور حسن ادب اور حسن سلوک سے برابر متاثر ہوتا رہا، جب جب ندوہ حاضری ہوئی انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور ایک سلیم الطبع شاگرد کی ہی طرح تعظیم و تکریم کی، اس لئے ان سے خصوصی طور پر قلبی لگاؤ ہے۔ اور ان کے لئے بہت دعائیں کی ہیں کہ اس زمانہ میں بھی ایسے سعید لوگ باقی ہیں۔

ایک سال گذر کر جب دوسرا سال آیا تو میں شوال (دسمبر ۱۹۴۴ء) میں دار المصنفین اعظم گڈھ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر آپ کے مشورہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ گیا اور وہاں اسکے آخری سال ہشتم میں داخلہ لیا،

اس وقت بے ساختہ استاذ مکرم مولانا شاہ حلیم عطا صاحب رحمۃ اللہ علیہ یاد آ رہے ہیں، جنھوں نے میرا داخلہ امتحان لیا تھا، اور حضرت مولانا محمد ناظم صاحب مدظلہٗ، اول الذکر نے حدیث کا اور ثانی الذکر نے ادب کا، دونوں اساتذہ بڑی شفقت فرماتے تھے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی سے خاکسار کا تعارف کراتے تھے تو بہت اونچے کلمات فرماتے تھے ایسے کہ میں سنکر گردن جھکا لیا کرتا تھا،

ندوہ میں داخل ہو کر میں پڑھنے لگا، ابھی کوئی ایک ڈیڑھ ماہ گذرا ہوگا کہ مولانا محمد اویس صاحب نگرامی بحیثیت استاذ تفسیر تشریف لائے۔ جب ان سے ملا، اپنی عادت کے مطابق بڑے خلوص و محبت سے ملے، پھر دوسرے تیسرے دن بلا کر فرمانے لگے کہ میں آپ کو خط لکھنے والا ہی تھا اچھا ہوا یہاں ملاقات ہو گئی، پہلے میری خوب تعریف و توصیف کی، پھر کہنے لگے نگرام میں ہمارا ایک عربی مدرسہ ہے وہاں ایک صدر مدرس کی ضرورت ہے اس کے لئے آپ سے بہتر دوسرا نظر نہیں آتا ہے، میری رائے ہے کہ یہاں پڑھنے کے بجائے وہاں جا کر پڑھائیں، مشکوٰۃ، ہدایہ جیسی کتابیں آپ کے ذمہ ہوں گی، اس سے آپ کی استعداد میں بڑا اضافہ ہوگا اور اس وقت آپ کا منشا بھی مطالعہ ہی ہے لہٰذا مدرس کی حیثیت سے مطالعہ زیادہ بہتر رہے گا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مولانا کی باتیں کس قدر دلنشیں ہوتی تھیں، انہوں نے مجھے نگرام کے لئے بالآخر دو چار ملاقات کے بعد آمادہ کر لیا۔ ابھی میں نگرام نہیں گیا تھا کہ حضرت سید صاحبؒ ندوہ تشریف لے آئے، جب یہ خبر آپ کو ملی تو مجھے مہمان خانہ میں بلایا، پہلے خیریت معلوم کی پھر نگرام کا تذکرہ نکلا، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش نہیں تھی کہ میں عجلت سے کام لوں اور ملازمت کے نام پر نگرام جاؤں۔ مگر نوجوانی کا فیصلہ اس سے ہٹنا میرے لئے مشکل ہو گیا، گو مجھ میں بہت پچھتانا پڑا۔ جب سید صاحبؒ نے محسوس کر لیا کہ میرا رجحان مدرسی کا ہی ہے، تو پھر اس کے نشیب و فراز سے واقف فرمایا اور اجازت دیدی، یہ بھی فرمایا کہ میں نے مولانا اویس سلمہٗ سے کہہ دیا ہے کہ وہاں تم کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

اخیر اکتوبر یا ابتدائے نومبر ۱۹۴۴ء میں مولانا اویس صاحبؒ کی نگرانی و رہنمائی میں نگرام پہونچا، اس زمانہ میں نگرام تک لکھنؤ سے کچی سڑک جاتی تھی، بس بڑی مصیبت سے وہ راستہ طے کرتی تھی، الحمد للہ کہ نگرام کلہ مولویانہ پہونچا، ایسا یاد پڑتا ہے کہ بعد نماز عصر مدرسہ معدن العلوم نگرام کے مہتمم حضرت مولانا محمد انیس صاحبؒ سے پہلی ملاقات ہوئی، مولانا وجیہ شکیل آدمی تھے، اور مولانا اویسؒ کے والد ماجد، اور ذی علم اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے،

میں ابھی بالکل نوجوان کم عمر تھا، داڑھی کے بال گنتی کے تھے، مگر مولانا محمد انیس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس محبت و شفقت سے ملے اس کی یاد اب تک تازہ ہے، پہلی ملاقات میں بڑے عمدہ انداز میں انہوں نے یہ بات ذہن نشین کی کہ مولوی کسی کا نوکر نہیں ہوا کرتا ہے مدرس کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے کو نوکر نہ سمجھے اور مہتمم کے لئے تو جائز ہی نہیں کہ عالم دین کو چند روپے کے بدلے میں نوکر کہے یا سمجھے وہ فرماتے تھے کہ مولوی کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا ہے،

اس زمانہ میں مولانا صاحبؒ کے بال بچے مستقل نگرام میں ہی رہا کرتے تھے اس لئے مولانا کا آنا جانا برابر ہوتا تھا، جب نگرام آتے تو لازمی طور پر خاکسار سے متعدد بار ملتے مولانا کے بچوں میں سے مکتب میں پڑھنے کے لائق اس وقت صرف شعیب سلمہٗ تھے وہ حفظ کر رہے تھے، میاں یونس سلمہٗ بہت چھوٹے تھے اور ہارون سلمہٗ میرے جانے کے ایک سال کے بعد پیدا ہوئے اس وقت مولانا کی اولاد میں سب سے بڑی حسینہ سلمہا تھیں۔

نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں میرا قیام بحیثیت صدر مدرس کم و بیش چار سال رہا، اس وقت تک ملک غلام تھا، انگریزوں کی حکومت تھی، نگرام سے مجھے یاد آتا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں اخیر مرتبہ وطن آیا، اس کے ایک دو ماہ کے بعد جس کے بعد پھر جانا نہیں ہوا یہ زمانہ ہندو مسلم کشیدگی کا تھا، ٹرینوں میں مسلمانوں کے لئے سفر کرنا بڑا دشوار مسئلہ تھا، اس وقت سفر پر یہ طے کر کے نکلنا پڑتا تھا کہ واپسی ہوگی یا نہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

مولانا اویس صاحب ندوی جب بھی نگرام آتے، تو ان سے گفتگو آپس میں مختلف مسائل پر گفتگو رہتی تھی، مولانا تفسیر

(بقیہ صفحہ پر)

خاندانِ رسالتؐ کے بعض افراد

(طلحہ بن ابو سلمہ ندوی کلکتہ)

نضر بن کنانہ جو حضورؐ کے جدِ اعلیٰ ہیں ان کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے بعد میں قبیلہ قریش کئی بڑے بڑے خاندانوں میں منقسم ہو گیا، جیسے بنی ہاشم، بنو اُمیہ وغیرہ حضورؐ کے جد اعلیٰ ہاشم جو قبیلہ قریش ہی کی ایک معزز ہستی تھی جن کے نام کی مناسبت سے پورے ایک خاندان ہی کا نام بنو ہاشم پڑ گیا۔

ہاشم طبعاً بہت ہی سنجیدہ مدبر، سیاست داں، اور حاتم وقت تھے چنانچہ انہیں اوصاف کے نتیجہ میں وہ حاجیوں کی دل کھول کر ضیافت کرتے اور ان کے پینے کے لئے چمڑوں کے حوضوں میں پانی بھرواتے تھے ہاشم کے تدبر کی بنا پر پورا عرب ان کا لوہا مانتا تھا اور اسی لئے وہ اپنی قوم کے منتخب امیر تھے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنی قوم کے لئے جس قدر فلاح و بہبود کی کوشش فرمائی اس کا اندازہ ان واقعات سے ہوتا ہے، اہل قریش جن کا آبائی پیشہ تجارت تھا اور جنہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ دوسرے ملکوں میں سفر کر کے بھی بنا سامان تجارت فروخت کر سکیں ہاشم نے ان کی سہولت کے پیش نظر نجاشی (شہنشاہ حبش) اور شہنشاہ قیصر والی مصر و شام سے اس بات کا پروانہ اجازت حاصل کر لیا کہ ان کی قوم کے لوگ ان بادشاہوں کے احاطہ سلطنت میں بھی اپنے کاروبار کے سلسلے میں بے روک ٹوک آکر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ اس کے بعد وہ عرب کے مختلف قبائل کے یہاں تشریف لے گئے اور ان سے بھی اسی سلسلہ میں معاہدہ کیا، ہاشم نے مدینہ میں قبیلہ بنی نجار میں شادی کی اس سے ایک لڑکا عامر تولد ہوا جو بعد میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ وہی عبدالمطلب ہیں جو ہمارے حضورؐ کے دادا ہیں، انہوں نے بھی جوان ہو کر بہت کچھ کیا جو ان کے والد نے کیا تھا۔ کعبہ کا انتظام بھی انہی کے سپرد تھا۔ چاہ زمزم جو پٹ چکا تھا انہوں نے صاف کرایا تھا۔ حضرت عبدالمطلب بڑے ہی خوش نصیب تھے بڑی عمر بھی پائی تھی انہوں نے چھ شادیاں کیں جن سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ فاطمہ بنت عمرو سے شادی کی تو اس سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں (لڑکوں میں) عبداللہؓ (حضورؐ کے والد ماجد) زبیرؓ ابو طالبؓ۔ لڑکیوں میں عاتکہؓ و امیمہؓ بیضاء و برّہ۔ دوسری شادی نوفلیہ بنت کلیب سے کی ان سے دو لڑکے عباس اور ضرار پیدا ہوئے اس کے بعد ہالہ بنت وہیب سے کی تو ان سے دو لڑکے حمزہ اور مقوم اور ایک لڑکی صفیہ ہوئیں۔ اس کے بعد بنی خزاعہ کی ایک عورت سے شادی کی اس سے ابولہب پیدا ہوا اس کے بعد صفیہ بنت جندب سے شادی کی اس سے دو لڑکے حارث اور اروی پیدا ہوئے سب سے آخر میں خزاعیہ سے شادی کی تو اس سے ایک لڑکا غیداق پیدا ہوا۔

عبداللہ، عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں حضرت عبداللہ سب سے پیارے اور چہیتے تھے۔ ۱۷ سال کی عمر میں امیر بنی زہرہ کی صاحبزادی حضرت آمنہ سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد بہت تھوڑے عرصہ آپ زندہ رہے، چونکہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا کی تشریف آوری مقدر ہو چکی تھی اس لئے حضرت آمنہ کا بطن اس ہادی اعظم کے تولد کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کا انتقال پُرملال ہوا تو حضرت آمنہ کو ان سے حمل قرار پا چکا تھا جو عبداللہ کے مرنے کے تھوڑے ہی روز بعد اس دنیا میں رونق پذیر ہوئے اور عبدالمطلب کی خواہش پر روایات عرب کے خلاف آگیا، اسم گرامی محمد رکھا گیا (یہی ہیں سرور کائنات فخر دوجہان ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۵۷۱ء میں ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ہوئی۔

زبیر بن عبدالمطلب یہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے جواں مرد اور بہادروں میں سے تھے ان کی کنیت ابوطاہر تھی آپ بڑے شاعر بھی تھے، ان کے لڑکے عبداللہ بن زبیر عہد اسلام میں مسلمان ہوئے یہ لاولد تھے۔

ابوطالب بن عبدالمطلب حضور کے بہت پیارے چچا ہیں ان کی شادی فاطمہ بنت اسد سے ہوئی ان سے چار لڑکے علی، جعفر، عقیل اور طالب پیدا ہوئے۔ عقیل جعفر سے دس سال بڑے تھے اور جعفر علی سے دس سال بڑے تھے سوائے طالب کے یہ تمام حضرات صاحب اولاد تھے ابو طالب ہجرت رسولؐ کے تین سال پہلے وفات پا گئے ان کی اہلیہ محترمہ حضورؐ پر ایمان لائی تھیں۔

عباس بن عبدالمطلب واقعۂ فیل کے تین سال سے پہلے پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ حضورؐ سے بہت ہی کم چھوٹائی بڑائی تھی۔ خدا کے فضل سے آپ نے بڑی عمر پائی، اور خلافت عثمانؓ تک زندہ رہے آخر عمر میں آپ کی آنکھیں ضائع ہو گئی تھیں عقبہ کے روز بھی حضورؐ کے ساتھ ہی تھے۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے روز حضرت عباسؓ کو (سقایہ) اور زمزم پر مامور کیا۔ ۸۹ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں آپ نے وفات پائی۔ جنازہ کی نماز حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ حضرت عباسؓ نے لبابہ بنت حارث ہلالیہ سے شادی کی ان سے پانچ۔ چھ اولادیں ہوئیں حضرت عبداللہ دنیائے اسلام میں ماہتاب بن کر چمکے۔

حمزہ بن عبدالمطلب آپ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ عرب کی روایات کے مطابق ثوبیہ نے ان کو دودھ پلایا تھا انکی شادی زینب بنت عمیس الخثعمیہ سے ہوئی تھی جس سے صرف ایک ہی لڑکا ہوا جس کا نام عمارہ تھا۔ حضرت حمزہؓ بڑے ہی بہادر اور بڑے ہی جنگجو تھے اسی لئے ان کو شیر اسلام کہا جاتا ہے معرکہ بدر و احد میں بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو گئے معرکہ بدر میں بہادر شیبہ بن ربیعہ طعیمہ بن عدی، اور ساعی الخزاعی کو انہوں نے قتل کیا تھا۔ معرکہ احد میں وحشی جو طعیمہ کا غلام تھا کے ہاتھوں شہید ہوئے چچا کے رشتہ سے حضورؐ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔

ابولہب بن عبدالمطلب اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ اور اس کی کنیت ابوعتبہ تھی چونکہ یہ بہت خوبصورت تھا اس لئے بعد میں ابولہب کے نام سے مشہور ہوا اس کی شادی مشہور قریشی سردار ابوسفیان بن حرب کی بہن جمیلہ بنت حرب سے ہوئی تھی اس سے اس کے تین لڑکے عتبہؓ، عتیبہؓ اور معتبؓ ہوئے حضورؐ نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی عتبہ سے کر دی تھی لیکن ابولہب نے حضورؐ سے دشمنی کی بنا پر اپنے بیٹے عتبہ کو طلاق پر مجبور کر دیا اور بالآخر اس ناہنجار نے طلاق دے دی۔ اس کی کنیت ابو واسعہ تھی اس نے اپنے بعد دو لڑکے اور چند لڑکیاں چھوڑیں ابولہب کا دوسرا لڑکا عتبہ بعد میں آغوش اسلام میں آگیا تھا۔

حارث بن عبدالمطلب، یہ عبدالمطلب کے سب سے بڑے لڑکے تھے، عبدالمطلب ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان ہی کی کنیت سے مشہور بھی تھے، زمزم کی تلاش میں انہوں نے بہت کام کیا تھا۔ ان کے چھ لڑکے تھے، ابوسفیان بن حارث، مغیرہ بن حارث، نوفل بن حارث، ربیعہ بن حارث، ربیعہ بن حارث، اور اروی و عبد شمس بن حارث۔ ابوسفیان بن حارث جو حضورؐ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے حضورؐ سے بہت محبت رکھتے تھے لیکن اعلان رسالت کے بعد کچھ دنوں تک حضورؐ کے مخالف بنے رہے، پھر غزوہ حنین کے بعد سنبھلے اور حضورؐ پر ایمان لائے ان کے متعلق حضرت نے فرمایا تھا کہ میں امید کرتا ہوں کہ حمزہ کے خلیفہ اور جنت میں نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔

ضرار بن عبدالمطلب، اسلام سے قبل لاولد انتقال کر گئے۔ شاعر بھی تھے۔

مقوم بن عبدالمطلب، یہ بھی صرف ایک لڑکی چھوڑ کر قبل از اسلام انتقال کر گئے، جن کی شادی عبداللہ بن مسروح سے ہوئی۔

آپ کو کیا چاہیئے۔؟

اگر آپ۔ دینی کتب کی تلاش میں ہیں۔؟ اگر آپ۔ اردو، ہندی، عربی بنگلہ، انگریزی کی کتابیں مناسب ہدیہ پر خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ۔ میری مطبوعات پڑھنا چاہتے ہیں —— تو —— دلآویز خطبہ، خطبہ طیبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی تصنیف مزاروں کی جھلکیاں، مولانا عبدالمالک صاحب بھوجپوری کی عظیم شاہکار نفر آتش علامہ بسمل بھوجپوری کا شعری مجموعہ جس پر ملک کے مایہ ناز ادیب ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد لکھنوی کا پیش لفظ ہے۔ آج ہی طلب فرماویں۔ تاجر حضرات خط و کتابت سے معاملہ طے کریں۔

پتہ: ناظم مکتبہ رشیدیہ سیمل گرام گلٹی (بردوان)

علاء الدین راجگیری

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ابو یوسف عبداللہ کا شمار خود بڑے عابد، زاہدوں میں ہوتا ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مدنی بزرگ کی خدمت میں چند دنوں گزارنے کا موقع ملا ان کی شکل و صورت، اخلاق و اطوار سے خوب مانوس ہوا، ان کا معمول تھا کہ رات کا اکثر حصہ تہجد و نوافل میں گزارتے، سخت گرمیوں میں بھی روزہ رکھتے، جہاں شام ہوتی وہیں پڑاؤ ڈال دیتے، روکھی سوکھی روٹی نکال کر کھا لیتے مجھے بھی شرکت کی دعوت دیتے لیکن میں نامناسب سمجھتا۔

انہوں نے ایک مرتبہ ایک آدمی کو گدھا لے جاتے ہوئے دیکھا مجھ سے کہا جاؤ اُسے خرید لاؤ میں خریدنے کے لئے چل پڑا لیکن راستے بھر سوچتا رہا روپے تو شیخ نے دیئے نہیں۔ بہرحال میں نے مالک سے معاملہ کیا تو وہ تیس درہم پر راضی ہو گیا میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا واقعہ بتایا کہا کہ خرید لو اور نیکی و بھلائی کی توقع رکھو میں نے کہا حضور قیمت؟ فرمایا خدا کا نام لو جیب میں ہاتھ ڈالو اور قیمت ادا کر دو میں نے ایسا ہی کیا تو جیب میں ۳۰ ہی درہم نکلے نہ کم نہ زیادہ میں نے قیمت ادا کر دی اور گدھا لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کہا کہ تم سواری کرو میں نے عرض کیا حضور اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اب وہ سوار تھے اور میں ساتھ ساتھ پیدل چل رہا تھا جب رات ہوتی تو تہجد، نوافل و اذکار میں مشغول ہو جاتے اسی طرح سے ہم عسفان پہنچے وہاں ایک دوسرے بزرگ سے ملاقات ہوئی یہ دونوں خلوت میں باتیں کر رہے تھے اور روتے جاتے تھے جب جدائی کا وقت آیا تو ہمارے شیخ نے کہا حضور کچھ وصیت کیجئے؟ انہوں نے فرمایا، تقویٰ اختیار کرو اور پیش نظر ہر وقت ذکر خدا رہے، مزید وصیت کی درخواست کی، فرمایا اگر تم اعمال حسنہ میں منہمک رہو گے تو آخرت میں تمہارا استقبال ہوگا، اپنے اندر زہد و قناعت کی صفت پیدا کرو تاکہ دنیا کے عوارض سے محفوظ رہو، پھر یہ خیال رکھو کہ دنیا میں دانا و بینا شخص وہ ہے جو اس کے عیوب و نقائص سے اچھی طرح باخبر ہو اس لئے کہ جو دنیا دار اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے وہ دنیا کی لالچ میں ٹوٹ پڑتے ہیں، اتنا کہہ کر وہ رخصت ہو گئے میں نے اپنے شیخ سے پوچھا یہ بزرگ کون تھے بڑی حکمت و دانائی کی باتیں کر رہے تھے، فرمایا یہ عبداللہ ہیں۔

پھر ہم عسفان سے روانہ ہو کر مکہ آئے جب مقام ابطح میں پہنچے تو وہ اپنی سواری سے اترے اور فرمایا تھوڑی دیر رک جاؤ، تاکہ ہم بیت اللہ کی زیارت تو کر لیں وہ تو چلے گئے سواری میرے ہی پاس چھوڑ گئے ایک اجنبی آیا اور مول بھاؤ کرنے لگا میں نے اس کی قیمت ۳۰ درہم بتایا وہ لینے پر آمادہ ہو گیا تو میں نے کہا، ارے صاحب یہ میری سواری نہیں ہے بلکہ میرے ایک رفیق سفر کی ہے، جب وہ آئیں تو معاملہ صاف کر لینا جب شیخ واپس لوٹے تو میں نے واقعہ دہرا دیا فرمایا اگر تم زیادہ قیمت پر بیچتے تو خدا تمہیں بھی زیادتی نصیب فرماتا اچھا اب معاملہ کر چکے ہو تو سواری اس کے حوالے کر دو ۳۰ درہم لے کر میں نے سواری اس شخص کے حوالے کر دی درہم میں نے شیخ کو دینا چاہا تو انکار کیا اور فرمایا تم اپنی ضروریات کے لئے رکھ لو پھر ہم نے ابطح میں ایک جگہ کرایہ پر لی اور کچھ دنوں تک رکے رہے۔ ایک دن شیخ نے قلم و دوات منگایا اور دو رقعے لکھے ایک رقعہ دیا اور فرمایا عباد بن عباد کی خدمت میں چلے جاؤ، ان کو میرا سلام کہو اور یہ رقعہ ان کے حوالے کر دینا، دوسرا رقعہ بھی دیا اور فرمایا اسے یوم النحر ہی میں کھولنا، جب میں رقعہ لے کر عباد بن عباد کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی مجلس میں لوگوں کا جم غفیر تھا، میں نے مکتوب ان کے حوالے کر دیا جس میں حسب ذیل عبارتیں مرقوم تھیں:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد! عباد میں تمہیں اس دن کی افلاس و تنگدستی سے ڈرانا چاہتا ہوں جس دن لوگوں کے پاس ذخیرہ اور خزانہ ہوگا آخرت کا افلاس و فقر ایسا ہے کہ دنیا کی ساری دولتیں اس کا بدل نہیں بن سکتیں، وہاں کی مصیبت اتنی عظیم الشان ہوگی کہ دنیا کی مصیبتیں اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں میں تمہاری خیر خواہی کے پیش نظر یہ ساری باتیں بتا رہا ہوں، بہت جلد اب میں اس دنیائے فانی سے کوچ کرنے والا ہوں، میرے جنازے کی نماز تم ہی پڑھاؤ گے، تجہیز و تکفین کے فرائض تم ہی انجام دینا۔"

خط پڑھنے کے بعد مجھ سے دریافت کیا کہ شیخ اس وقت کہاں ہیں؟ میں نے کہا مقام ابطح میں۔ پوچھا کیا ان کی طبیعت علیل ہے؟ میں نے کہا نہیں تو، ابھی تو وہ صحت مند ہیں۔ جب لوگ ان سے ملنے آئے تو وہ قبلہ رخ لیٹے چہرے پر کپڑا ڈھکا تھا روح پرواز کر چکی تھی میں بے حد متعجب تھا کہ ابھی تو صحیح سالم، تندرست و توانا تھے فوراً کیا سے کیا ہو گیا تکفین و تدفین کے بعد لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع ختم ہوا۔

دوسرا رقعہ یوم النحر کے موقع پر حسب ہدایت میں نے کھولا اور پڑھا مندرجہ ذیل باتیں لکھی تھیں:۔

"میرے بھائی اللہ تمہیں تمہارے احسانات کا بہترین بدل عطا فرمائے اس کا جزاء تمہیں ایک ایسے دن دے جس دن لوگ اعمال کے لئے ترسیں گے خدا کرے کہ تم ہماری صحبت و معیت سے فائدہ اٹھا سکو، تم بیت المقدس چلے جانا ہماری میراث ہمارے ورثاء کے سپرد کر دینا۔"

میں سخت کشاکش میں پڑ گیا نہایت پیچیدہ معاملہ ہے، میں بیت المقدس کیسے جاؤں نہ تو میں وہاں کا عالم نہ ہی جگہ کا ٹھکانا پھر بھی بہت دیر تک پس و پیش کے بعد دعا و درخواست سے کام لیتے ہوئے چل پڑا، ابھی بیت المقدس میں پہنچا ہی تھا کہ فقراء و مساکین کا ایک حلقہ نظر آیا ابھی شش و پنج میں تھا کہ مجمع سے ایک آواز آئی میں متوجہ ہوا اس کی صورت بالکل ہمارے شیخ سے ملتی جلتی تھی میں نے میراث (پیالہ، جراب، عصا) ان کے حوالے کر دیا اور چلتا بنا ابھی تھوڑی ہی دور آیا تھا کہ خیال ہوا کیوں نہ ان سے بھی چند دنوں رہ کر استفادہ کیا جائے یہ سوچ کر واپس لوٹا مجمع کا چکر لگا رہا تھا لیکن وہ بزرگ نہ نظر آنے کو تھے نہ آئے۔ چند دنوں بیت المقدس ہی میں حیران و پریشان مارا مارا پھرتا رہا، جب کوئی امید باقی نہ رہی تو تھکا ہارا عراق واپس لوٹ آیا۔

(صفوۃ الصفوۃ)

بقیہ ص۷ شیخ التفسیر ....

سے بڑا شغف تھا، دار المصنفین میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو استفادہ کیا تھا اس کا خلاصہ نوٹس کی صورت میں مولانا کے پاس محفوظ تھا اسے خاکسار نے بار بار دیکھا بھی ہے۔

میرے پہنچتے ہی ہوئے مولانا محمد اویس صاحبؒ اکثر ندوہ سے استعفا دے کر گھر آگئے تھے، وہ زمانہ مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی کے اہتمام کا تھا، غالباً ان سے کسی مسئلہ پر اختلاف کے نتیجے میں علیحدہ ہوئے تھے، مولانا عمران خاں صاحب کے بعد آپ دوبارہ بحیثیت مدرس ندوہ بلائے گئے اور اس وقت سے زندگی کے آخر تک ندوہ سے وابستہ رہے، اور مختلف شعبوں کے طلباء علوم دینیہ سے آپ سے استفادہ کیا، اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی، نظیر مولانا مرحوم کے درس سے کافی محظوظ ہوتے تھے

مولانا کے والد مرحوم مولانا محمد یسین صاحبؒ سے سلطانپور، رائے بریلی، بارہ بنکی اور لکھنؤ ان اضلاع کے ہزاروں مسلمان گھرانے بیعت تھے سال میں ان کے اطراف میں دورہ بھی ہوا کرتا تھا، مولانا محمد اویس صاحب بھی اس سفر میں ساتھ ہوتے تھے، خاکسار کو بھی ایک سال ایسے سفر میں مولانا کی ہمرکابی کی سعادت حاصل رہی، مولانا مرحوم اپنے والد سے بیعت تھے یا نہیں مگر ان کو ان کے والد ماجد نے غالباً بیعت کرنے کی اجازت دے دی تھی، پھر یہ اجازت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ سے بھی حاصل ہوئی، چنانچہ اس کے بعد مولانا بھی بیعت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے تھے اور سیکڑوں مسلمان آپ سے بھی بیعت کا شرف رکھتے تھے۔

مولانا بلند اخلاق تھے، آنے جانے والوں اور طلبہ سے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ملتے تھے۔ ۸۵ سالہ جشن کے موقع سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی طلبی پر جب رجب ۱۳۹۵ھ میں ندوہ میں میری حاضری ہوئی تو معلوم ہوا کہ مولانا بقرعید بعد سے بیمار چل رہے ہیں اور اس وقت ہسپتال میں زیر علاج ہیں، دار العلوم ندوہ کے ایک استاد کو ساتھ کر کے ملاقات کے لئے ہسپتال حاضر ہوا مولانا کے چہرے پر جو ہمیشہ علمی رونق تھی گو بیماری نے ڈھال کر دیا تھا۔ دیکھ کر بے تاب ہو گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آیا خود مولانا مرحوم بھی ضبط نہ کر سکے، ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے، خیریت دریافت کی مولانا نے خاکسار سے بھی دریافت فرمایا کہ کیسے آنا ہوا، اور کب آئے۔ میں نے بتایا کہ جشن ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تیاری کی ترتیب و تعارف کی خدمت کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں۔

آخری ملاقات ندوہ کے ۸۵ سالہ جشن کے پہلے دن ندوہ میں ہوئی جہاں جشن کی شرکت ساتھ کھینچ لائی تھی، جس دن اخبار میں مولانا کی وفات کی خبر پڑھی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رنج و غم کے اتھاہ سمندر میں ڈوب سا گیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

از: شمس تبریز خاں

مطالعہ کی میز

رُوداد چمن: از محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی" صفحات ۲۹۲ قیمت: ۱۵ روپے

پتہ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ ۷

مولانا محمد میاں صاحب، مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، کے طرز تحریر کے کامیاب پیرو ہیں ان کے اسلوب میں شگفتگی و برجستگی، شائستگی اور خوش سلیقگی اور ان سب سے بڑھ کر ایک داعی کا جوش و خروش اور ایک اہل دل اور اہل درد کا سوز و اخلاص عجب بہار رکھتا ہے۔

موجودہ کتاب بھی ان خصوصیات کی حامل ہے۔ اصلاً تو ندوۃ العلماء کے یادگار زمانہ پچاسی سالہ اجلاس اور جشن تعلیمی کی مفصل روداد ہے لیکن اپنے بیش قیمت مواد و مضامین اور طرز نگارش کے لحاظ سے کسی مستقل کتاب سے کسی طرح کم نہیں۔ ع

افسانہ اگر گفت نظیری کتاب شد

مؤلف نے اس کتاب میں صرف اجلاس کی رپورٹ ہی نہیں مرتب کی ہے بلکہ اسے رپورتاژ اور آنکھوں دیکھا حال بنا دیا ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری اپنے کو شریک اجلاس محسوس کرنے لگتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب واقعات و حالات اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے ہیں اور وہ ان کا عینی شاہد و مشاہد ہے اس کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی سطر سطر سے اسلامیت کا جوش و ولولہ اور اصلاح حال کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، اور ملت کے فکر و عمل کا جمود ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے، یہ روداد ان لوگوں کے کام کی بھی ہے جو شریک اجلاس تھے اور ان لوگوں کے لئے جو شریک نہ تھے یک گونہ تسلی کا سامان ہے، اجلاس کے سلسلے کی کوئی اہم چیز چھوٹنے نہیں پائی ہے۔ مندوبین کی مکمل فہرست، خطبۂ استقبالیہ، خطبۂ صدارت، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کا خطبہ، مولانا علی میاں کا مقالہ اور تقریریں، مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی تقریر، اور مولانا علی میاں صاحب کی صبح کی وہ تقریریں بھی زینت کتاب ہیں جو ایک مرد حق کی فغان صبحگاہی کا اثر رکھتی ہیں۔

کتاب میں کتابت و طباعت کا اعلیٰ معیار قائم کیا گیا ہے طباعت آفسیٹ کی ہے اندر کتاب میں اجلاس کی بیسیوں تصاویر موجود ہیں، ٹائٹل پر ہفت رنگ کی جلوہ گری موجود ہے اور اتنا خوبصورت ہے کہ لوگوں نے اسے مستقل فریم بھی کرایا ہے، امید ہے کہ شائقین اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

اکابر کا سلوک و احسان: (افادات حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ) مرتبہ محمد اقبال صاحب مقیم مدینہ منورہ، صفحات ۱۲۳

قیمت: درج نہیں۔ پتہ: (ہندوستان میں) مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ

کتاب حضرت شیخ مدظلہ کی تصنیفات و مکتوبات اور افادات سے مرتب کی گئی ہے فصل اول تصوف کی حقیقت اور اس کے ماخذ کی وضاحت پر مشتمل ہے اور سب سے مفصل ہے اور اس میں شواہد و دلائل سے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ تصوف کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ اس میں اکابر علماء و مشائخ کے تائیدی بیانات بھی درج کر دئے گئے ہیں، دوسری فصل سلوک کے موانع اور تیسری آداب مریدین پر ہے۔

شروع میں حضرت مولانا ابو الحسن علی صاحب مدظلہ کے قلم سے ایک تفصیلی مقدمہ ہے جو ایک مستقل مضمون کی حیثیت رکھتا ہے اور جس میں بڑی خوبی کے ساتھ تصوف پر ہونے والے اعتراضات کا دفاع کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ ماضی قریب کے اکابر علماء و مشائخ کی آخری یادگاروں میں ہیں ان کے افادات میں سادگی اور بے تکلفی کا عنصر ہمیشہ موجود رہتا ہے، یہ کتاب بھی اس سے خالی نہیں بلکہ واقعاتی اور قصصی اسلوب میں ہونے کے سبب اس کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا ہے کتاب بہترین آفسیٹ پر چھپی ہے اور حسن طباعت کا نمونہ ہے۔

پرنٹر، پبلشر، مسؤل سید محمد حسنی نے جے کے آفسیٹ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی

کتابت: جلال الدین بستوی

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

پاکستان سے گذشتہ ماہ یہ افسوسناک خبر سننے میں آئی کہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کو آجکل پاکستان کے مفتی اعظم کی حیثیت حاصل تھی، دیوبند میں انکے اساتذہ میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، علامہ انور شاہ کشمیری، اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے رہے تھے، وہ فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں مدرس ہوئے اور تقریباً ۲۰ سال تک مفتی عزیز الرحمن صاحب کی نیابت کرتے رہے، حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے مگر آپ پر علمی اور فقہی رنگ غالب تھا مسئلہ اجتہاد، مسئلہ تصویر، اسلام کے زرعی نظام، اور اس جیسے بہت سے جدید و قدیم موضوعات پر نہایت بلند پایہ تحقیقی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں بہت سے فتاویٰ آپ کے قلم سے بھی شائع ہوئے، کراچی میں دار العلوم قائم کیا اور ایک بلند پایہ رسالہ "البلاغ" جاری کیا جسے اپنے لائق صاحبزادے مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے ساتھ مل کر مرتب کرتے تھے۔

ان کی وفات سے پاکستان کے ساتھ ہندوستان علمی و دینی حلقے میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ آسانی سے نہیں بھر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ملت کو انکا بدل عطا کرے۔

ایک خادم علم ندوی: بھول چوک لازمۂ بشریت ہے، ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کے موقع پر فرزندان ندوہ کے نام اور انکے کام کے جو چارٹ مرتب کئے گئے تھے ان میں کچھ نام درج ہونے سے رہ گئے، ان میں ایک نام مولانا ابراہیم عمادی ندوی کا بھی ہے، عمادی صاحب ایک عرصے سے بہار اشریف میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اس کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا بھی انہیں ذوق ملا ہے انہوں نے کئی درجن کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: خاتم النبیین، تدریجی کہانیاں، علم شریعت اور نظام حکومت، مسلمان اور سائنس کے نام سے متعدد علمی چارٹ بھی انہوں نے مرتب کئے ہیں اور آجکل ایک بڑی "اسلامی محمدی تقویم" تیار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انکی علمی کوششوں کو قبول فرمائے۔

رُودادِ چمن

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مفصل روداد

مرتبہ: مولانا محمد الحسنی ندوی

مدیر البعث الاسلامی (دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

○ ایک دستاویز ——— ○ ایک کہانی ——— ○ ایک پیغام

ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی (منعقدہ نومبر ۱۹۷۵ء) کی تفصیلی رپورٹ جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا منظر عام پر آگئی ہے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

کے ایماء پر یہ روداد مرتب کی گئی ہے جس میں شیخ الازہر کا خطبۂ صدارت، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا تاریخی خطبۂ استقبالیہ اور اجلاس کی دوسری تقریریں، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کے قلم سے ندوۃ العلماء کے ماضی، حال اور مستقبل کا خاکہ، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے صبح کے وقت کئے ہوئے ایمان افروز بیانات، اہم تقریروں اور مقالات کے خلاصے سب شامل ہیں۔

اس کے علاوہ اجلاس کے وسیع انتظامات اور تیاریوں اور اجلاس کے مناظر کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پڑھنے والا خود اجلاس میں شریک ہے اور تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پوری کتاب دار العلوم کی خوبصورت عمارتوں کی تصاویر نیز دوران اجلاس نماز جمعہ کے دلفریب منظر سے بھی مزین ہے۔

○ خوبصورت رنگین ڈسٹ کور ——— ○ دیدہ زیب گٹ اپ

ضخامت: ۳۰۰ صفحات علاوہ تصاویر　قیمت: مجلد صرف ۱۵ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، لکھنؤ

(۲) کتب خانہ رشیدیہ، جامع مسجد، اردو بازار، دہلی

عالم اسلام

سعودی عرب میں غیر شرعی لباس پر پابندی

(محمد الازہار ندوی ایم۔ اے)

سعودی عرب کے شاہ خالد نے غیر شرعی رجحانات کے خلاف ایک انتباہ میں غیر شرعی لباس پر پابندی عائد کر دی ہے انہوں نے جدید رجحانات اسلامی روایات اور اسلامی اقدار کے منافی بتاتے ہوئے عرب خواتین کے لباس پر تنقید کی اور کہا کہ ہماری خواتین آج کل جس قسم کا لباس پہن رہی ہیں وہ شرعی احکام کے خلاف ہے انہوں نے کہا کہ وہ اسلامی اقدار کا پاس و لحاظ رکھیں اور شرعی احکام کی پابندی کریں اور اس لباس کو ترک کر دیں جو وہ آج کل استعمال کر رہی ہیں۔

شاہ خالد نے اپنے اعلان میں مزید کہا کہ اسلامی اصولوں کے خلاف عمل کرنے والوں کی فوری سرزنش کریں اور فتنوں کا سد باب کریں۔ شاہ نے سعودی عرب میں رہنے والے غیر مسلم افراد سے کہا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق کریں شاہ نے آخر میں سعودی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی کردار کے سانچے میں ڈھال لیں اور اسلام کا عملی نمونہ ان جائیں۔

ترکی میں اسلحہ سازی کا کارخانہ:

ترکی اور یونان کے مابین بحر ایجہ کے مسئلہ پر اختلافات کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اسلحہ کی دوڑ تیز ہو گئی ہے کیونکہ ترکی کو درآمد ہونے والے امریکی اسلحہ پر پابندی بدستور ہے اور یہ حالات ترکی کے لئے پریشان کن ہیں ان ہی اسباب کی وجہ سے ترک حکومت نے جنگی جہازوں اور اسلحہ کی تیاری کا ایک پلان بنایا ہے۔ "Middle East" میگزین کے نامہ نگار جو برطانیہ سے شائع ہوتا ہے لکھا ہے کہ ترک حکومت نے (ترک جہاز ساز کمپنی) کے لئے ایک منصوبہ بنایا ہے اور اس پر بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے اس نے کمپنی کے ذرائع کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ اگر اس طرح تیزی سے کام ہوتا رہے تو ایک سال کے اندر جہاز سازی کے کارخانہ کی تعمیر مکمل ہو جائے گی اور ۲۹ مہینہ (۱۹۷۹) کے بعد پہلا جہاز اس کارخانہ سے بن کر آئیگا۔

ترک حکومت کو یہ منصوبہ اس لئے بنانا پڑا کیونکہ امریکہ نے ترکی کو اسلحہ کی ترسیل پر پابندی لگا دی ہے اور اس کا اہم سبب قبرص کی جنگ ۱۹۷۴ء ہے اس کے بعد ہی سے ترکی میں اسلحہ کے ذخائر کم ہونے لگے اور اس کے حصول کے لئے دوسرے ذرائع کا سہارا لینا پڑا۔ اس وقت اس کی فوج کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب ہے اور ان کے ۸۰ فیصد اسلحہ امریکن ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں اور امریکی طرز کے تھے۔

ان ضروریات کو سامنے رکھ کر ترک حکومت نے اپنے دفاعی بجٹ کو ۲۲۰۰ ملین ڈالر تک بڑھا دیا ہے یعنی ۱۹۷۶ کے بجٹ کا ½ حصہ اس پر صرف کر رہی ہے۔ اس منصوبہ میں بڑی تیزی سے جنگی کشتیاں بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور مزید اسلحہ ایران اور پاکستان کے تعاون سے حتی الامکان وسائل کو بروئے کار لا کر بنانے کی کوشش کیجا رہی ہے۔

ترک حکومت نے ایک نشریہ کے ذریعہ ٹینک، توپ، راکٹ اور جنگی کشتیاں بنانے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔

۱۹۷۲ء میں ترک حکومت نے اس منصوبہ کو شروع کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کیا اور ہوائی جہاز اور راڈر کو ڈو حصوں میں تیاری شروع کی کیونکہ حکومت کے خیال میں اس کے بغیر ترک فضائیہ کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے، اسی کے ساتھ موجودہ دوسرے حفاظتی انتظامات کی جدید کاری کی طرف توجہ دی جو ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۰ء تک پورا ہو جائے گا۔

ترکی کے ذمہ داروں کا اندازہ ہے کہ اس منصوبہ پر ۶۰۰ ملین ڈالر خرچ آئے گا جس کا ۷۰ فیصد حصہ غیر ملکی سرمایہ سے پورا ہو جائے گا۔ ان میں ایران، سعودی عرب اور پاکستان کا نام قابل ذکر ہے۔

ملیشیا ایٹمی دور میں داخل:

خبروں کے مطابق ملیشیا میں مجوزہ پاور سٹیشن کی تکمیل کے بعد یہ خیال حقیقت کا جامہ پہن لے گا کہ ملیشیا بھی ایٹمی دور میں داخل ہو گیا جو ہوائی جنوبی ریاست میں چھ سو میگا واٹ والے نیوکلیائی ری ایکٹر کے لئے جگہوں کا انتخاب کیا گیا ہے پھر ری ایکٹر کی مدد سے ملیشیا میں ۱۹۸۰ء تک ایک ہزار چھ سو میگا واٹ بجلی پیدا ہونے لگے گی اور اس پروجیکٹ پر ۳۶ کروڑ امریکی ڈالر لاگت آئے گی۔

مصر اور سوڈان میں مشترکہ دفاعی معاہدہ

مصر اور سوڈان میں یہ طے پایا ہے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ دونوں ممالک کی فضائی اور بحری فوجوں کو انہیں استعمال کرنے کی آزادی ہوگی تاکہ ہر ایک جارحیت کو روکا جا سکے اور اس کی مزاحمت کیجا سکے۔ اس بات کا انکشاف دونوں ممالک کی مشترکہ ڈیفنس کونسل کے اجلاس کے خاتمہ پر جاری کئے گئے۔ ایک سرکاری اعلان میں کیا گیا ہے۔ اس سرکاری اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں ممالک میں اس بات کا بھی فیصلہ ہو گیا ہے کہ دونوں ممالک کی تمام شعبوں میں جنگی قوت اور صلاحیت کو بڑھایا جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ فوجی ٹریننگ کے طریقہ اور اسلحہ وغیرہ کو معیاری بنانے کے لئے باہمی تعاون اور اشتراک عمل کو مضبوط بنایا جائے۔ یہ بھی قرار پایا کہ مشترکہ آرمی اسٹاف اور جنرل سکریٹریٹ قائم کی جائے جس میں دونوں ممالک کی وزارت جنگ اور وزارت خارجہ کے نمائندے شامل ہوں تاکہ جو فیصلے کئے گئے ہیں ان پر عمل درآمد کی نگرانی ہو سکے۔ اور مشترکہ میٹنگوں کے لئے ایجنڈا مرتب کیا کیا جا سکے۔

بخارا دو ہزار پانچسو سال پرانا شہر

وسط ایشیا کے اہم ثقافتی اور انتظامی مرکز بخارا دو ہزار پانچسو سال پرانا شہر ہے ماہرین کا اندازہ اس سے کم کا تھا جب کہ بخارا کے باشندوں کا خیال تھا کہ یہ شہر اس سے بھی پانچسو سال زیادہ قدیم ہے۔

ماہرین قدیم تحریروں کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کر سکے کہ مشرق کے دوسرے شہروں کے برعکس جن کا محل وقوع بدلتا رہا ہے بخارا کو اس کے باشندوں نے ٹھیک اسی مقام پر تعمیر کیا جہاں وہ آفات و تباہی سے کھنڈر بن گیا تھا اور چنگیز خاں کی فوجوں نے بھی اس شہر کو مسمار کیا۔

بخارا کی عمر کا صحیح اندازہ کھدائی میں دریافت ہونے والی اشیاء سے لگ پایا، یہ کھدائی مسجد قلیان کے باہر واقع مقامات پر ہوئی جو سیاحوں میں بہت مشہور ہے۔ آثار قدیمہ کی ایک ٹیم جو جدید آلات سے لیس تھی کھدائی کا نیا طریقہ نکالا، روایت کے مطابق چھوٹے گڑھے نہیں کھودے بلکہ زمین کا ایک بڑا قطعہ کھود ڈالا اور طاقتور مشینوں سے ۲۰ میٹر گہرائی تک کھدائی کر کے زیر زمین پانی نکالا اور انسانی آبادی کے نشانات دریافت کئے، بہت سی دستکاریاں پائی گئیں جن میں پیالے، لوٹے اور نقشیں برتن شامل تھے یہی ایسی اشیاء تھیں جن کو نہ وقت برباد کر سکا اور نہ پانی، یہ تہذیبی آثار کی آخری پرت تھی جس کے نیچے خالص زمین یعنی کوئلے کی دلدل تھی۔

اس بنیاد پر ماہرین نے اندازہ لگایا کہ بخارا کی تعمیر قدیم برسوں میں دلدلی زمین اور مرطوب آب و ہوا پر ہوئی تھی اور ایسے دشوار گزار علاقے میں جو آبی وسائل سے مالا مال تھے ایک نہر کے آثار بھی ملے ہیں۔ قدیم بخارا کے باشندے جو آبپاشی میں ماہر تھے اس نہر کے راستے پانی کی نکاسی کرتے تھے جو کھدائی سے ظاہر ہوا کہ وہاں مرطوب موسم قبل مسیح دو ہزار سال تک رہا۔

سعودی عرب کی آب و ہوا تبدیل کرنے کیلئے

بحیرہ قلزم میں "برفانی خطہ" کا قیام:

سعودی عرب کی آب و ہوا کو تبدیل کرنے کے لئے سائنسی عمل کا انتظام کیا جا رہا ہے اطلاعات کے مطابق سرزمین عرب کی فضاؤں کی گرمی اور خشکی کو دور کر کے اس میں خنکی اور تری پیدا کرنے کے لئے بحیرہ قلزم میں ایک "برفانی خطہ" قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے سعودی حکومت کے ایک ترجمان نے بتایا ہے کہ بحیرہ قلزم میں مجوزہ "برفانی خطہ" کے قیام سے سعودی عرب میں زیادہ بارش کا انتظام ہو سکتا ہے۔

واشنگٹن میں مقیم سعودی عرب کے محکمہ اطلاعات و نشریات کے ایک ترجمان نے اطلاع دی ہے کہ "برفانی خطہ" کے قیام کے نتیجہ میں توقع کیجا سکتی ہے کہ سعودی عرب کا موسم تبدیل ہوگا اور ہوا کا دباؤ ایسی شکل اختیار کرے گا جو مانسون کے لئے باعث کشش ہوگا۔ عرب کے شہزادہ محمد الفیصل نے جو سمندر کے کھارے پانی کی شوریت کو دور کر کے شیریں اور خوشگوار بنانے سے تعلق رکھنے والی کارپوریشن کے گورنر ہیں "برفانی خطہ" کی تجویز کے بارے میں بتایا کہ سعودی عرب کی آب و ہوا کو تبدیل کرنے کی ترکیبوں اور طریقوں کا مطالعہ جاری ہے۔ شہزادہ محمد الفیصل نے بتایا کہ انکا ملک موجودہ ۸۰ ڈگری کے درجہ حرارت کو پانچ ڈگری کم کرنا چاہتا ہے تاکہ ملک جنوب مغرب میں واقع پانچسو کیلو میٹر علاقہ میں بارش کا بندوبست ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ "برفانی خطہ" کا قیام اسی قدر دشوار اور ناممکن نہیں جس قدر سمجھا جا رہا ہے۔